ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور
2
14 جنوری 2004ء — 21 ذی قعد 1424ھ
www.tanzeem.org

اس شمارے میں

سارک کانفرنس کا میزبان
مشرکین کے اعتراضات کا جواب
قرآن حکیم کی روشنی میں
دشمنانِ اسلام کا اصل ٹارگٹ
پُراسرار روٹیاں اور کنول کا پھول
چاند کا مسئلہ
عوام میڈیا کی زد میں
قرضوں کی معاشیات
اقبال کے کلام میں فرعون
طوبیٰ گرلز کالج

شخصیت پرستی کا خاتمہ

اسلام کی تاریخ میں حضرت صدیق اکبرؓ کو یہ فخر حاصل ہے کہ سب سے پہلے انہوں نے مسلمانوں کو اس حقیقت سے آگاہ کای کہ اسلام شخصیت پرستی کا نام نہیں ہے' بلکہ خدا پرستی کا نام ہے' یعنی مسلمان کا مقصود و مطلوب صرف اللہ ہے۔ جب سالم بن عبیدؓ کے ذریعے حضرت ابوبکرؓ کو حادثۂ رحلت سرورِ عالم ﷺ کی خبر پہنچی تو آنجنابؓ فوراً گھوڑے پر سوار ہو کر کاشانۂ نبوت میں تشریف لائے۔ آنخضرت ﷺ کے جسدِ اطہر کے قریب کھڑے ہو کر رُخِ روشن سے چادر اٹھائی' پیشانی مبارک پر بوسہ دیا' گریہ کناں آپ ﷺ کو مخاطب کر کے یوں گویا ہوئے: ''میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں! آپ زندگی میں بھی پاک اور صاف رہے اور اب موت کے بعد بھی پاک اور صاف ہیں۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ اللہ آپ کو ہرگز دو موتیں نہیں دے گا۔ وہ موت جو اللہ نے آپ کے لئے مقدر کر دی تھی وہ تو آپ کو آ ہی گئی۔'' یہ کہہ کر مسجد نبویؐ میں تشریف لائے۔ یہاں عجیب کہرام مچا ہوا تھا۔ فاروقؓ اعظم کہہ رہے تھے کہ حضور ﷺ کی وفات نہیں ہوئی ہے۔ صدیق اکبرؓ نے انہیں سمجھایا اور کہا بیٹھ جاؤ۔ وہ بیٹھ گئے تو آنجنابؓ نے تقریر شروع کی۔ حمد و ثناء کے بعد فرمایا:

''پس تم میں سے جو شخص حضرت محمد (ﷺ) کی عبادت کرتا تھا وہ سن لے کہ بلاشبہ آنخضرت ﷺ وفات پا گئے' لیکن جو شخص اللہ کی عبادت کرتا ہے' اسے معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ بے شک زندہ ہے جسے کبھی موت نہیں آئے گی۔ چنانچہ اللہ فرماتا ہے (ترجمہ): ''محمد (ﷺ) نہیں ہیں مگر (اللہ کے) ایک رسول۔ ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزرے ہیں۔ پس اگر ان کو موت آ جائے یا وہ قتل کر دیئے جائیں تو کیا تم اپنی ایڑیوں کے بل پیچھے کو لوٹ جاؤ گے؟ (اسلام ترک کر دو گے؟) اور جو شخص ایسا کرے گا تو وہ اللہ کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتا اور اللہ شکر کرنے والوں کو عنقریب جزا دے گا!'' (سورہ آل عمران: 144)

یہ تقریر سن کر حاضرین پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ لیکن ساتھ ہی انہیں ایسا معلوم ہوا کہ یہ آخری آیت گویا انہیں معلوم ہی نہ تھی۔ اب حضرت صدیق اکبرؓ نے اس کی تلاوت کی تو ان کی آنکھوں سے پردہ اٹھ گیا' اور یہ آیت اس قدر مؤثر ثابت ہوئی کہ ہر شخص اس کی تلاوت کر رہا تھا۔ خلاصۂ کلام ایں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ اور حضرات شیخین (رضی اللہ عنہما) نے زبانی تعلیم اور اپنے طرزِ عمل سے یہ بنیادی حقیقت مسلمانوں کے دلوں میں جاگزیں کر دی تھی کہ فرقہ بندی اسلام کی ضد ہے اور مسلمانوں کی حیات اجتماعی کے حق میں سم قاتل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عہد نبویؐ اور عہد خلافت شیخینؓ میں کوئی فرقہ موجود نہ تھا۔''

ماخذ: اسلامی تصوف

تحریر: پروفیسر یوسف سلیم چشتی

سورۃ البقرۃ (آیت275)

ڈاکٹر اسرار احمد

بسم اللہ الرحمٰن الرَّحیم

﴿اَلَّذِیۡنَ یَاۡکُلُوۡنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوۡمُوۡنَ اِلَّا کَمَا یَقُوۡمُ الَّذِیۡ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیۡطٰنُ مِنَ الۡمَسِّ ؕ ذٰلِکَ بِاَنَّهُمۡ قَالُوۡۤا اِنَّمَا الۡبَیۡعُ مِثۡلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الۡبَیۡعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ فَمَنۡ جَآءَهٗ مَوۡعِظَةٌ مِّنۡ رَّبِّهٖ فَانۡتَهٰی فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ وَاَمۡرُهٗۤ اِلَی اللّٰهِ ؕ وَمَنۡ عَادَ فَاُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ النَّارِ ۚ هُمۡ فِیۡهَا خٰلِدُوۡنَ۝﴾

''جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (قبروں سے) اس طرح (حواس باختہ) اٹھیں گے جیسے کسی کو جن نے لپٹ کر دیوانہ بنا دیا ہو' یہ اس لئے کہ وہ کہتے ہیں کہ سودا بیچنا بھی تو (نفع کے لحاظ سے) ویسا ہی ہے جیسے سود (لینا)' حالانکہ سودے کو اللہ نے حلال کیا ہے اور سود کو حرام۔ تو جس شخص کے پاس اللہ کی نصیحت پہنچی اور وہ (سود لینے سے) باز آ گیا تو پہلے جو ہو چکا وہ اس کا' اور (قیامت میں) اس کا معاملہ خدا کے سپرد' اور جو پھر لینے لگا تو ایسے لوگ دوزخی ہیں کہ ہمیشہ دوزخ میں (جلتے) رہیں گے۔''

(گزشتہ سے پیوستہ)

جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ کھڑے نہیں ہوتے مگر ان کی طرح جن کو شیطان نے چھو کر مخبوط الحواس بنا دیا ہو۔ عام طور پر یہ سمجھا گیا ہے کہ یہ قیامت کے دن کا نقشہ ہے۔ ٹھیک ہے' قیامت کے دن تو یہ نقشہ ہو گا ہی' اس دنیا میں بھی سود خوروں کا حال ایسا ہی ہے' دیکھنا ہو تو کسی سٹاک ایکسچینج میں جا کر دیکھ لیجئے' وہ اس طرح چیخ چلا رہے ہوتے ہیں اور بھاگ دوڑ میں لگے ہوئے ہوتے ہیں گویا دیوانے اور پاگل ہیں' انسان نہیں کچھ اور ہی ہیں۔ سٹاک ایکسچینج کے اندر انسان سود خوری کی وجہ سے مخبوط الحواس ہی تو ہو جاتا ہے۔ پھر اُن کے سب سے بڑھ کر مخبوط الحواس ہونے کا مظہر یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ بیع بھی تو سود ہی کی مانند ہے۔ سو روپے میں ایک چیز خریدی پھر ایک سو دس میں بیچ دی تو دس روپے بچ گئے' یہ ربح یعنی منافع ہے اور یہ جائز ہے' بیس لاکھ کا مکان بنایا پانچ ہزار ماہوار کرایہ پر دے دیا تو یہ بھی جائز ہے' مگر بیس لاکھ کسی کو قرض دیئے اور اس سے پانچ ہزار ماہوار لئے تو یہ سود ہو گیا اور یہ حرام ہے۔ ان عقلی دلائل کی بنیاد پر سود کے حامی سود کو بیع کی مانند قرار دیتے ہیں۔ اس ظاہری سی مناسبت کی وجہ سے وہ مخبوط الحواس لوگ ان دونوں میں کوئی فرق محسوس نہیں کرتے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے ان کے قول کا عقلی جواب نہیں دیا بلکہ صرف یہ فرمایا کہ اللہ نے بیع کو حلال قرار دیا ہے اور سود کو حرام۔ اب تم بتاؤ کہ اللہ کو مانتے ہو یا نہیں؟ اللہ کے رسول ﷺ اور اللہ کی کتاب کو مانتے ہو کہ نہیں؟ یا پھر اپنی عقل پر ہی بھروسہ کئے بیٹھے ہو؟ اگر تم مومن ہو تو تمہارا طرز عمل یہ ہونا چاہئے کہ اللہ کا حکم جو بھی ہو سر آنکھوں پر' جو کچھ رسول کہیں اٰمنا و صدقنا۔ قرآن مجید میں ہے ''جو کچھ تمہیں رسولؐ دیں لے لو اور جس چیز سے روک دیں' رک جاؤ''۔ یہ شریعت کا فیصلہ ہے جو ایماندار کو مطمئن کرنے کے لئے کافی ہے۔ عقلی طور پر بھی دیکھئے کہ بیس لاکھ مالیت کے مکان کو کرایہ پر دیں تو اس کا کرایہ لینا جائز ہے کہ جب تک کرایہ دار مکان کو مسکن بنائے گا اس وقت تک کرایہ دے گا۔ یہ کرایہ سہولت کی فراہمی کا بدل ہے۔ مگر دس لاکھ کا سرمایہ فراہم کر کے اس پر مقررہ شرح پر رقم حاصل کرنا حرام ہے کیونکہ اس سرمایے کے ساتھ جو کاروبار کرے گا اس پر منافع بھی ہو سکتا ہے اور نقصان بھی۔ تو ان دونوں معاملات میں کوئی مناسبت نہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے یہ جواب نہیں دیا بلکہ فرمایا کہ اللہ نے بیع کو حلال اور ربا کو حرام قرار دیا ہے' بس ایک ایماندار کے لئے تو اللہ کا حکم کافی ہے' وہ اس کی حکمت کو سمجھ سکے یا نہ سمجھ سکے۔ جب اللہ نے سود کو حرام ٹھہرایا تو وہ حرام ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس شخص کے پاس اس کے رب کی طرف سے یہ نصیحت پہنچ گئی اور وہ باز آ گیا تو جو کچھ وہ پہلے لے چکا ہے وہ اس کا ہے' وہ اس سے واپس نہ لیا جائے گا۔ اس کے ساتھ حساب کتاب نہیں کیا جائے گا۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کا کوئی گناہ اس پر نہیں۔ فرمایا اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے' اللہ چاہے گا تو معاف کر دے گا' اگر چاہے گا تو پچھلے سود پر بھی سرزنش کرے گا۔ ہاں اس نصیحت کے آ جانے کے بعد بھی جس نے دوبارہ یہ حرکت کی تو ایسے لوگ جہنمی ہیں اور اس میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔

کون لوگ برے ہیں

چوہدری رحمت اللہ بٹر

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللّٰه عنه اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ((اَلَا اُنَبِّئُکُمْ بِشِرَارِکُمْ؟ اَلَّذِیْ یَاْکُلُ وَحْدَهٗ وَیَجْلِدُ عَبْدَهٗ وَیَمْنَعُ رِفْدَهٗ)) (رواہ رزین)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ''کیا میں تمہیں یہ نہ بتا دوں کہ تم میں برے لوگ کون ہیں؟ (تو سنو) برا وہ شخص ہے جو کھانا تنہا کھائے' اپنے غلام کو (ناحق) مارے اور کسی کو اپنی بخشش و عطاء سے فائدہ نہ پہنچائے۔'' (رزینؒ)

اس حدیث میں چند ایسی باتوں کو ذکر کیا گیا ہے جو ناپسندیدہ اور بری ہیں اور یہ چیزیں جن لوگوں کی خصلت بن جاتی ہے وہ ناپسندیدہ اور برے سمجھے جاتے ہیں' چنانچہ سب سے تنہا ہو کر کھانا برا ہے' اپنے غلام کو بلا کسی جرم و خطا کے مارنا برا ہے اور کسی کو کچھ نہ دینا برا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ جو لوگ بد خلق اور بخیل ہوں وہ برے ہیں۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے منسوب خطاطی کا نمونہ ۔ بر موقع صلح حدیبیہ (6 ہجری ۔ 627ء)

تا خلافت کی بنا' دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

قیام خلافت کا نقیب

ندائے خلافت

جلد		شمارہ
13	8 جنوری تا 14 جنوری 2004ء 15 تا 21 ذی قعدہ 1424ھ	2

بانی: اقتدار احمد مرحوم
مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید
مدیر انتظامی: سید قاسم محمود

مجلس ادارت

ڈاکٹر عبدالخالق ۔ مرزا ایوب بیگ
سردار اعوان ۔ محمد یونس جنجوعہ

نگران طباعت: شیخ رحیم الدین

○

پبلشر: محمد سعید اسعد' طابع: رشید احمد چوہدری
مطبع: مکتبہ جدید پریس' ریلوے روڈ' لاہور۔

○

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:
67۔ گڑھی شاہو' علامہ اقبال روڈ لاہور
فون: 6316638-6366638 فیکس: 6305110
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36۔ کے' ماڈل ٹاؤن' لاہور
فون: 5869501-03
قیمت فی شمارہ: 5 روپے

سالانہ زرِ تعاون

اندرونِ ملک ...... 250 روپے
بیرون پاکستان
عرب' ایشیا' افریقہ وغیرہ (1500 روپے)
امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا وغیرہ (2200 روپے)

☆.☆.☆

''ادارہ'' کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں

سارک کانفرنس کا میزبان

بڑے چاؤ سے پاکستان نے ''سارک کانفرنس'' میں ایک اٹل بہاری واجپائی کو شریک کرنے کے کارن کیسے کیسے جتن کئے' کیسی کیسی قربانیاں دیں۔ کشمیر میں کنٹرول لائن پر یک طرفہ جنگ بندی کا اعلان کیا۔ بھارت کے لئے یک طرفہ طور پر اپنی فضائی حدود کھول دیں۔ سمجھوتہ ایکسپریس کی بحالی کے لئے تجویز دی۔ صدر مملکت نے اعلان کیا کہ ہم جنوبی ایشیا میں امن کی خاطر مسئلہ کشمیر پر اقوام متحدہ کی قراردادوں سے صرف نظر کر سکتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ سب کچھ اقدامات اس لئے کئے گئے کہ بارھویں سارک کانفرنس جو جنوری 2003ء میں منعقد ہو جانی چاہئے تھی' اور جو واجپائی صاحب کے نازنخروں کے باعث ایک سال تک معرضِ التواء میں پڑی ہوئی تھی اور امکان پیدا ہو گیا تھا کہ یا تو یہ تنظیم ٹوٹ جائے گی یا اس کا اجلاس کسی اور ملک میں منعقد ہوا سے بہر قیمت پاکستان میں منعقد کی جائے۔

پاکستان کے خیر سگالی کے غیر معمولی اقدامات کی وجہ سے واجپائی صاحب کے لئے ناممکن ہو گیا کہ وہ ''سارک کانفرنس'' میں شرکت نہ کریں' اس لئے کہ انہوں نے اپنے ان سات پڑوسیوں کے علاوہ بڑی طاقتوں کو بھی منہ دکھانا ہے جو اسے جلد اقوام متحدہ کی سیکورٹی کونسل کی رکنیت دلوانا چاہتے ہیں۔ چنانچہ بیرونی دباؤ کے تحت واجپائی صاحب طوعاً و کرہاً اسلام آباد پدھارے۔ 4 جنوری کو سارک کانفرنس کے افتتاحی اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے تجویز دی کہ جنوبی ایشیا کے ممالک کو چاہئے کہ وہ اپنی سرحدیں ایک دوسرے کے لئے کھول دیں' مشترکہ کرنسی اختیار کریں اور یورپی یونین کی طرح جنوبی ایشیا کی سیاسی و معاشی یونین بنائیں۔ واجپائی صاحب نے اپنے میزبان ملک کو خاص طور پر مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ ''مذہب' زبان' نسل اور ثقافت کے رشتے حال میں ابھرنے والے سیاسی تعصبات سے زیادہ مضبوط اور مستحکم ہیں۔ ہمارے آباء و اجداد نے مذہبی' علاقائی اور لسانی اختلافات کو ایک طرف رکھ کر اپنے نوآبادیاتی استحصالی آقا کے خلاف 1857ء کی جنگ آزادی لڑی' جس سے ثابت ہوتا ہے کہ موجودہ تقسیم (1947ء) کی تاریخ کے مقابلے میں ہماری تاریخ زیادہ قدیم ہے۔''

''سارک کانفرنس'' نے جو تجاویز مرتب کی ہیں' وہ بھی اپنے عملی نتائج کے اعتبار سے واجپائی صاحب کے خطاب کی توسیع معلوم ہوتی ہیں۔ مثلاً جنوبی ایشیا کو ''خطۂ آزاد تجارت'' بنانے کے معاہدے ''سافٹا'' پر پیش رفت ہوئی' دہشت گردی کے خلاف اضافی پروٹوکول پر اتفاقِ رائے ہوا' ایشیائی ترقیاتی بنک کو سارک گیر بنانے پر اتفاق ہوا' غرضیکہ کانفرنس کے ماحول اور تجاویز کی پیشکش اور منظوری کے معاملات پر بھارت چھایا رہا۔ یہ بھی درست ہے کہ پاکستانی اربابِ اقتدار کی جانب سے بیانات کی حد تک سہی' کچھ نہ کچھ مزاحمت بھی ہوئی۔ مثلاً صدر مملکت جنرل پرویز مشرف نے کہا کہ سارک چارٹر میں ترمیم کر کے دوطرفہ تنازعات کے حل کو بھی سارک کے پلیٹ فارم سے حل کرنے کی گنجائش نکالی جائے۔ وزیراعظم ظفر اللہ خان جمالی نے اپنے افتتاحی خطاب میں کہا کہ جنوبی ایشیا کی معاشی یونین کا خواب سیاسی تنازعات طے کئے بغیر پورا نہیں ہو سکتا۔ متحدہ مجلس عمل کے صدر قاضی حسین احمد نے کہا کہ کشمیر کے بنیادی مسئلے کو نظر انداز کر کے تجارتی و ثقافتی تعلقات فروغ نہیں پا سکتے۔

یہ حقیقت ہے اور ہمارے ملک کے اکثر و بیشتر سیاسی مبصرین اور تجزیہ نگاروں نے اسی رائے کا اظہار کیا ہے کہ معاشی اور سیاسی یونین کی تجویز ہو یا آزاد تجارت کا معاہدہ' انسدادِ دہشت گردی کے اضافی پروٹوکول ہوں یا ایٹمی ہتھیار ختم کرنے پر آمادگی' یہ سب باتیں بھارت کا پھیلایا ہوا جال ہیں جن میں پھنس کر پاکستان اپنی آزادی' خودمختاری اور سلامتی سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔ ''سارک کانفرنس'' کے کامیاب انعقاد کا مقصد اگر سخت جان اور ضدی واجپائی کو مذاکرات کی میز پر لانا تھا تو وہ پورا ہوا۔ سب مہمان آبرومندی سے اپنے اپنے گھر پہنچ گئے۔ پاکستان کو پھر سے اپنی خارجہ پالیسی کے اس اصول پر ڈٹ جانا چاہئے جس کا اظہار سارک کانفرنس سے چند روز پہلے صدر مملکت نے بھی کیا تھا کہ ''مسئلہ کشمیر اور ایٹمی پروگرام کی بساط لپیٹنا غداری کے مترادف ہے''۔

(ادارہ تحریر)

1 ریاض میں فلسطینی وزیراعظم احمد قریع نے سعودی عرب کے فرماں روا شاہ فہد بن عبدالعزیز' ولی عہد شہزادہ عبداللہ بن عبدالعزیز سے ملاقات کی' جس میں دونوں رہنماؤں نے علاقائی اور عالمی مسائل اور اسرائیلی جارحیت سے متعلق معاملات پر غور کیا۔ دونوں رہنماؤں نے اسرائیلی جارحیت کی روک تھام کے لئے عالمی برادری کے کردار کی ضرورت پر زور دیا —— گوانتاناموبے میں 600 سے زائد طالبان اور القاعدہ کے ارکان کے خلاف فوجی مقدمات کی نگرانی کے لئے ایک سابق امریکی جنرل ایلٹن برگ کا تقرر کیا گیا —— امریکا کی طرف سے 18 دسمبر کو عالمی مذہبی آزادی سے متعلق ایک رپورٹ جاری کی گئی تھی' جس میں کہا گیا تھا کہ ملائیشیا (اور پاکستان میں بھی!) غیر مسلموں کے ساتھ امتیازی سلوک روا رکھا جا رہا ہے اور انہیں بنیادی حقوق بھی حاصل نہیں۔ ملائیشیا نے اس رپورٹ پر سخت تشویش کا اظہار کرتے ہوئے امریکی سفیر کو دفتر خارجہ طلب کیا اور اپنا احتجاج ریکارڈ کرایا کہ رپورٹ حقیقت پر مبنی نہیں۔

2 پاکستان کے چیف الیکشن کمشنر جسٹس (ر) ارشاد حسن خان کے جاری کردہ اعلامیے کے مطابق صدر مملکت جنرل پرویز مشرف نے قومی اسمبلی سے 191' سینیٹ سے 56' پنجاب اسمبلی سے 254' سندھ اسمبلی سے 99' سرحد اسمبلی سے 30 جبکہ بلوچستان اسمبلی سے 28 ووٹ حاصل کئے ہیں۔ اس طرح انہیں سادہ اکثریت سے اعتماد کا ووٹ مل گیا۔ انہیں 1170 میں سے 658 ووٹ ملے —— پاکستان ٹیلی ویژن کی رپورٹ کے مطابق سال 2003ء کے دوران مقبوضہ کشمیر میں بھارت کی ریاستی دہشت گردی کے نتیجے میں 2828 کشمیری شہید ہوگئے۔ جبکہ بھارتی گولہ باری سے لائن آف کنٹرول کے پار آزاد کشمیر میں بھی 135 کشمیری شہید اور 488 شدید زخمی ہوئے' جبکہ 300 خواتین کی بے حرمتی کی گئی۔ 460 مکانوں اور دکانوں کو نذر آتش کیا گیا۔ 294 کشمیریوں کو پولیس کی حراست میں شہید کیا گیا۔ بھارت کی ریاست دہشت گردی کے نتیجے میں 651 خواتین بیوہ اور 2169 بچے یتیم کر دیے گئے —— افغانستان میں نئے آئین کے لئے طلب کردہ لویہ جرگہ میں ووٹنگ شروع ہوئی۔ تاہم 502 وفود میں سے ایک چوتھائی نے امریکا کے حمایت یافتہ آئینی مسودے پر ووٹ ڈالنے سے انکار کر دیا —— مصر میں اخوان المسلمین نے جامعہ الازہر کے شیخ (محمد سعید تنطاوی) کے اس فتوے پر شدید تنقید کی ہے' جس میں انہوں نے کہا ہے کہ سرکاری سکولوں میں حجاب پر پابندی لگانا فرانس کا حق ہے۔

3 مصر نے اسرائیل کی جانب سے جولان کے مقبوضہ پہاڑی علاقے میں یہودی آبادکاری کے منصوبے کو بین الاقوامی منصوبے (روڈ میپ) کی خلاف ورزی قرار دیا اور کہا ہے کہ شام کے ساتھ معاہدے کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ صیہونی ریاست ہے —— ہزاروں ایرانیوں نے تہران میں فرانس میں مسلمان طالبات پر حجاب کی پابندی لگانے کی تجویز کے خلاف احتجاجی مظاہرے کئے اور ''مرگ بر فرانس'' کے خلاف نعرے لگائے —— اسرائیل کے سرکاری اعداد و شمار کے مطابق بحیرہ روم اور دریائے اردن کے درمیان 50 لاکھ 20 ہزار یہودی آباد ہیں' جبکہ فلسطینیوں کی تعداد 40 لاکھ 90 ہزار ہے۔ 1989ء سے لے کر 2003ء تک اسرائیل میں آبادی کی شرح افزائش 2003ء میں سب سے کم رہی۔ 2003ء میں تقریباً 24 ہزار یہودی باہر سے اسرائیل آئے جب کہ 2002ء میں 35 ہزار اور 2001ء میں 44 ہزار آئے تھے۔ پچاس فی صد سے زیادہ یہودی روس سے آئے ہیں۔ آمد میں کمی کی بڑی وجہ اسرائیل کی بدامنی ہے۔ ہر سال دس بارہ ہزار یہودی ملک سے باہر جا رہے ہیں۔

4 ایرانی وزیر خارجہ کمال خرازی اچانک دمشق پہنچ گئے۔ انہوں نے شام کے صدر بشار الاسد سے ملاقات کے بعد ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اسرائیل پر بین الاقوامی دباؤ ڈالا جائے کہ وہ وسیع پیمانے پر تباہی پھیلانے والے اپنے ہتھیار ختم کر دے۔ یاد رہے کہ اسرائیل نے وسیع پیمانے پر تباہی پھیلانے والے ہتھیار رکھنے کی کبھی تصدیق یا تردید نہیں کی' لیکن امریکا سمجھتا ہے کہ اسرائیل 1989ء سے ایک ایٹمی طاقت بن چکا ہے۔ ماہرین کو یقین ہے کہ اس کے پاس کم از کم دو سو ایٹمی ہتھیار ہیں۔ اسرائیل ایک عرصے سے ایٹمی عدم پھیلاؤ کے معاہدے (این پی ٹی) کی توثیق کرنے سے اس بہانے انکار کر رہا ہے کہ عراق اور ایران کے پاس نہ صرف ایٹمی بلکہ کیمیاوی اور جراثیمی ہتھیار بھی ہیں —— آج اسلام آباد میں بارھویں سارک کانفرنس سخت ترین حفاظت انتظامات میں شروع ہوئی۔

5 ایران کے شہر بام میں حالیہ زلزلہ میں چالیس ہزار سے زائد لوگ ہلاک ہوئے' جن میں 9 ہزار طلبہ اور 2 ہزار اساتذہ بھی شامل ہیں۔ شہر کے 250 سکولوں میں سے صرف 51 سکول درست حالت میں باقی رہ گئے —— افغانستان میں لویہ جرگہ میں شامل 500 ارکان نے اپنی نشستوں پر کھڑے ہو کر مضبوط صدارتی نظام کے حامل نئے آئین کی منظوری دے دی۔ نئے آئین کے مطابق ملک اسلامی جمہوریہ ہوگا۔ صدارتی نظام ہوگا اور دو نائب صدر ہوں گے۔

6 اسلام آباد میں بارھویں سارک کانفرنس ختم ہوئی۔ یاد رہے کہ جنوبی ایشیا کے سات ملکوں کے درمیان علاقائی سطح پر تعاون کی تنظیم ''سارک'' کی پہلی سربراہ کانفرنس سات اور آٹھ دسمبر 1985ء کو بنگلہ دیش کے دارالحکومت ڈھاکہ میں ہوئی تھی۔ بنگلہ دیش کے صدر حسین محمد ارشاد کو سارک کا پہلا چیئرمین مقرر کیا گیا۔ سارک ''ساؤتھ ایشین ایسوسی ایشن فار ریجنل کوآپریشن'' کا مخفف ہے۔ افتتاحی اجلاس میں پاکستان کے صدر جنرل محمد ضیاء الحق' بھارت کے وزیر اعظم راجیو گاندھی' سری لنکا کے جے وردھنے' مالدیپ کے صدر مامون عبدالقیوم' نیپال کے شاہ بریندرا بیر بکرم اور بھوٹان کے شاہ جگمے سنگے وانگ چک نے شرکت کی تھی۔ بارھواں سہ روزہ اجلاس 4 تا 6 جنوری اسلام آباد میں منعقد ہوا جس میں وزیراعظم بنگلہ دیش محترمہ خالدہ ضیاء' وزیراعظم بھوٹان جگمی وائی تھنلے' وزیراعظم بھارت اٹل بہاری واجپائی' صدر مالدیپ مامون عبدالقیوم' وزیراعظم نیپال سوریہ بہادر تھاپے' صدر سری لنکا محترمہ کمارا تنگے اور وزیراعظم پاکستان میر ظفر اللہ خان جمالی نے شرکت کی —— صدر پرویز مشرف اور بھارتی وزیراعظم واجپائی کے درمیان ایوانِ صدر میں ایک گھنٹہ سے زائد وقت تک ملاقات ہوئی جس میں کشمیر' دہشت گردی اور مذاکرات دوبارہ شروع کرنے سمیت اہم علاقائی و بین الاقوامی امور پر تفصیلی تبادلۂ خیال کیا۔ دونوں لیڈروں نے 20 منٹ تک تنہائی میں ون ٹو ون گفتگو بھی کی۔

7 بھارتی وزیراعظم اٹل بہاری واجپائی کی صدر پرویز مشرف اور وزیراعظم میر ظفر اللہ جمالی کے ملاقات کے بعد پاکستان اور بھارت کے مشترکہ اعلان میں کہا گیا کہ کشمیر سمیت تمام تنازعات پر جامع مذاکرات آئندہ ماہ فروری میں ہوں گے۔ مشترکہ اعلان میں کشمیر کا ذکر نہ ہونے کی وضاحت کرتے ہوئے صدر پرویز مشرف نے پریس کانفرنس میں کہا کہ میں قوم اور کشمیریوں کو یقین دلاتا ہوں کہ کشمیر پر کوئی خفیہ سمجھوتہ نہیں ہو رہا —— مقبوضہ کشمیر میں بھارتی فوج نے ریاستی دہشت گردی کا سلسلہ جاری رکھا ہوا ہے اور 2 طالبات سمیت 12 کشمیریوں کو شہید کر دیا گیا —— سارک ممالک دہشت گردی کے مجرموں کو ایک دوسرے کے حوالے کرنے اور ان کا فنڈ ضبط یا منجمد کرنے پر متفق ہوگئے۔ ''اسلام آباد ڈیکلریشن'' منظور ہو کر اخبارات میں شائع ہوا۔

مشرکین کے اعتراضات کا جواب

قرآن حکیم کی روشنی میں

مسجد دارالسلام باغ جناح' لاہور میں امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید کے 2 جنوری 2004ء کے خطاب جمعہ کی تلخیص

آج سورۂ بنی اسرائیل کے گیارہویں رکوع کا مطالعہ ہمارے پیش نظر ہے۔ آپ کو یاد ہوگا کہ دسویں رکوع میں روح کی حقیقت کے حوالہ سے بہت اہم بحث آئی ہے' جہاں بتایا گیا ہے کہ روح کے بارے میں جان لو کہ یہ "امر رب" ہے۔ اس سے زیادہ اس کی حقیقت کو جاننا تمہارے لئے اس دنیا میں ممکن نہیں ہے۔ تم اس کی ماہیت کو نہیں سمجھ سکتے کیونکہ یہ عالم خلق کی شے نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق عالم امر سے ہے۔ اس لئے ہم اس کا کسی لیبارٹری میں تجزیہ نہیں کر سکتے' وہ ماوراء ہے۔ چنانچہ اس کے بارے میں ہمیں علم نہیں دیا گیا۔ دراصل عالم امر میں وقت کا عنصر شامل نہیں ہوتا۔ اس عالم میں ہر کام اللہ کے لفظ کُن سے بغیر کسی وقت کے سرانجام پاتے ہیں۔ وہاں نہ فاصلوں کا کوئی لحاظ ہے نہ وقت کا کوئی دخل۔ زمان و مکان کا تعلق عالم خلق سے ہے جس میں ہم رہتے ہیں۔ چنانچہ جن چیزوں کا تعلق عالم خلق سے ہے' ہم ان کے بارے میں علم رکھتے ہیں' ان کو ناپ سکتے ہیں۔ لیکن وہ چیزیں جو عالم امر سے متعلق ہیں' وہ ہمارے محسوسات کے دائرے سے باہر ہیں' ہم ان کی حقیقت کا کماحقہ ادراک حاصل نہیں کر سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم قرآن کی عظمت کو بھی پوری طرح نہیں سمجھ سکتے۔ اس لئے جن معاملات کا تعلق عالم امر یا عالم غیب سے ہے ان کو قرآن میں تمثیل کے ذریعے سمجھانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ جیسے خود قرآن کی عظمت کو سمجھانے کے لئے تمثیل کے پیرائے میں ہمیں بتایا گیا:

"اگر اس قرآن کو ہم کسی پہاڑ پر نازل فرما دیتے تو تم دیکھتے کہ وہ دب جاتا پھٹ پڑتا اللہ کی ہیبت سے۔ یہ مثالیں ہیں جو ہم لوگوں کے لئے بیان فرماتے ہیں تاکہ وہ غور و فکر سے کام لیں۔"

ان مثالوں پر غور کریں تو ہم ان حقیقتوں کا کچھ نقشہ ذہن میں قائم کر سکتے ہیں' ورنہ انسانی ذہن عظمت قرآن کا ادراک کر ہی نہیں سکتا۔ اسی طرح ہم ذاتِ باری تعالیٰ کے بارے میں نہیں جان سکتے۔ چنانچہ اللہ کا تعارف ہم اس کی صفات کے حوالے سے حاصل کرتے ہیں۔ روح کا معاملہ بھی اسی عالم امر سے ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کو جو "علم الاسماء" عطا کیا گیا تھا اس کا تعلق عالم خلق سے ہے۔ آج سائنس اور ٹیکنالوجی کا جو فروغ ہے وہ اسی علم کا ظہور ہے جو انسان کو تخلیق آدم کے وقت عطا کر دیا گیا تھا۔ لیکن عالم امر سے متعلق ہمیں زیادہ علم نہیں دیا گیا بلکہ کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیاء و رسل بھیجے جائیں گے' وہ جو فکری و عملی ہدایت دیں' اس کو اختیار کر لو۔ ان کی بات کو ماننے اور عمل کرنے والوں ہی کو ہمیشہ کی زندگی اور آخرت کی کامیابی ملے گی۔ اس عالم کی حقیقت کو اس دنیا میں رہتے ہوئے ہم نہیں سمجھ سکتے۔ البتہ جب ہم اُس عالم آخرت میں پہنچیں گے تو ان سب چیزوں کی حقیقت ہم پر کھل جائے گی۔ وہاں بندۂ مومن اللہ کا دیدار بھی کر سکے گا۔ بہرحال وہ عالم کچھ اور ہے۔ روح کا تعلق اُس عالم سے ہے۔ قرآن میں لفظ روح کا اطلاق روح انسانی کے علاوہ خود قرآن اور حضرت جبرئیلؑ کے لئے بھی کیا گیا ہے۔ اس اعتبار سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ قرآن اور روح انسانی ایک دوسرے کی "گرائیں" (ہم وطن) ہیں۔ یعنی دونوں کا تعلق عالم امر سے ہے۔ چنانچہ اسی روح پر قرآن نازل ہوا۔ ارشاد ربانی ہے:

"اے نبی! اس قرآن کو لے کر نازل ہوئے روح الامین (حضرت جبرئیلؑ) آپؐ کے قلب (روح) پر"۔

احادیث میں آتا ہے کہ روح کا مسکن قلب انسانی ہے۔ غور طلب امر یہ ہے کہ آنے والے بھی روح' جو چیز لائے ہیں وہ بھی روح اور جس پر لائے وہ بھی روح۔ اسی کے حوالے سے سمجھ لیجئے کہ جنات میں روح نہیں ہوتی۔ اس لئے ان میں رسالت و نبوت اور وحی کا معاملہ نہیں ہے' اگرچہ وہ بھی مکلف ہیں اور شریعت محمدیؐ میں ان کے لئے بھی ہدایات ہیں۔ البتہ عالم امر سے متعلق بعض معاملات میں وہ ہم سے زیادہ علم رکھتے ہیں۔ انسان کو اگرچہ ان معاملات سے غیب میں رکھا گیا ہے' لیکن انسان کو اُس عالم کے نورانی وجود یعنی روح سے متصف کر دیا گیا۔ اس کی وجہ ہی سے وہ مسجود ملائک بنا تھا۔ انسان کے پاس حیوانی وجود یعنی جسد خاکی بھی ہے لیکن انسان کو حیوانوں سے ممتاز کرنے والی شے یہی روح ہے جو جانوروں میں نہیں ہے۔ اسی طرح جنات صرف آگ سے وجود میں آئے ہیں' ان میں بھی روح نہیں ہے' تاہم وہ شریعت کے مکلف ہیں۔ جیسا کہ قرآن میں وادیٔ نخلہ میں جنات کی ایک جماعت کے گزرنے اور حضور ﷺ پر ایمان لانے کا ذکر ہے۔

اس موضوع کے علاوہ پچھلے رکوع میں یہ ذکر بھی ہوا کہ انسانوں پر اللہ کی رحمت کا سب سے بڑا مظہر یہ قرآن ہے۔ اور مشرکین کو سنا دیا گیا کہ اگر ہم چاہیں تو وحی کے اس سلسلے کو روک دیں تو پھر تم اس رحمت سے محروم ہو جاؤ گے۔ حتیٰ کہ نبی اکرم ﷺ پر بھی اس فضل کا ذکر کیا گیا کہ اس سب سے بڑی نعمت "قرآن" کو بنی نوع انسان تک پہنچانے کے لئے آپؐ کا انتخاب کیا گیا۔ مطلب یہ ہے کہ جس کے ذریعے اس نعمت کو لوگوں تک پہنچایا جا رہا ہے اُس پر اللہ کی رحمت اور فضل کا کیا معاملہ ہوگا!

اسی رکوع میں یہ بات بھی سامنے لائی گئی تھی کہ آنحضور ﷺ کا اصل معجزہ یہ قرآن ہے۔ یہ قیامت تک ایک زندہ معجزہ ہے' اس کی تاثیر کبھی ختم نہیں ہوگی۔ جس کو ہدایت کی طلب ہے' اس کے لئے قرآن سے بڑی کوئی شے نہیں۔ اس میں ہر شخص کے لئے ہدایت کی مکمل رہنمائی موجود ہے۔ چنانچہ جو لوگ اس قرآن کے ہوتے ہوئے آپؐ سے حسی معجزات کا مطالبہ کر رہے ہیں انہیں آپ کی طرف سے جواب دلایا گیا کہ میں تو اللہ کا پیغام لانے والا ایک انسان ہوں' یعنی میں خود اس پیغام کے اتباع کا پابند ہوں اور میں اپنی طرف سے تمہیں کوئی معجزہ نہیں دکھا سکتا۔

چنانچہ اگلے رکوع میں اسی مضمون کے تسلسل میں بات شروع ہوئی' فرمایا: "لوگوں کے پاس ہدایت آجانے

کے بعد انہیں ایمان لانے سے صرف یہ بات روکتی ہے جو وہ کہتے ہیں کہ: کیا اللہ نے ایک انسان کو رسول بنا کر بھیجا ہے؟" سورۃ الفرقان میں اسی بات کو اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ یہ کیسے رسول ہیں کہ بازاروں میں چلتے پھرتے ہیں اور کھانا بھی کھاتے ہیں یعنی تمام بشری تقاضے ان کے ساتھ بھی ہیں۔ لہٰذا ہم یہ نہیں مان سکتے کہ یہ اللہ کے نمائندے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کسی بشر کو رسول بنا کر بھیجے یہ بات ہماری سمجھ میں آنے والی نہیں ہے۔ یہ دراصل ان کا عذرِ لنگ ہے' یعنی نہ ماننے کا سبب کچھ اور ہے اور بہانے کے طور پر اس بات کو پیش کیا جا رہا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی فرشتے کو رسول بنا کر بھیجے تو ہم اسے اللہ کا نمائندہ اور رسول مانیں گے۔ ع خوئے بدرا بہانہ بسیار!

دراصل یہ انسان کی کمزوری ہے' اسی کمزوری کا ظہور رسول کے دنیا سے چلے جانے کے بعد اس صورت میں ظاہر ہوتا ہے کہ رسول سے محبت کے غلو میں یا شیطان کے بہکاوے میں آ کر رسولوں کی بشریت سے انکار کر دیا جاتا ہے' جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ماننے والوں نے بعد میں انہیں اللہ کا بیٹا بنا دیا اور ان کی رسالت کو مان کر ان کی بشریت کا انکار کر دیا۔ جبکہ قرآن مجید میں بہت وضاحت کے ساتھ آیا ہے۔ کہ ﴿قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا o﴾ "کہئے پاک ہے میرا رب! میں تو محض ایک انسان ہوں پیغام پہنچانے والا۔"

اگلی آیت میں ان کے اس عذر کے جواب میں فرمایا:

"کہہ دیجئے کہ اگر زمین میں فرشتے اطمینان سے چل رہے ہوتے تو ہم آسمان سے ان کے لئے کوئی فرشتہ ہی رسول بنا کر بھیجتے۔"

اس آیت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ رسول کا کام صرف پیغام پہنچا دینا ہی نہیں ہوتا بلکہ اس پر عمل کر کے بھی دکھانا ہوتا ہے تاکہ لوگوں پر اتمام حجت ہو جائے۔ بالفاظ دیگر رسول بشر ہوتے ہوئے اپنے جیسے لوگوں کے سامنے اپنی زندگی کا عملی نمونہ پیش کرتا ہے تاکہ لوگوں پر حجت قائم ہو جائے۔ ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ نے نہ صرف پیغامِ حق پہنچانے کا حق ادا کر کے دکھایا بلکہ عملی طور پر بھی نمونہ پیش کیا۔ اس لئے نبی اکرم ﷺ کی بعثت تاریخ کے اس موڑ پر تھی جہاں اجتماعیت کا دور دورہ تھا' یہ تاریخی سفر ہی ہے جس کے نتیجے میں آج انسان یہاں تک پہنچا ہے کہ پوری دنیا پر ایک ورلڈ آرڈر ہونا چاہئے۔ New World Order کے نعرے میں بین السطور یہ پیغام مضمر ہے کہ پورے کرۂ ارضی پر ایک نظام ہونا چاہئے۔ آپؐ نے اس دور میں عدل وقسط پر مبنی اجتماعی نظام قائم کر کے دکھایا جس کی برکات اُس وقت لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔ دورِ خلافت راشدہ میں وہ برکات پوری طرح ظاہر ہوئیں۔ وہ عدل' انصاف' حریتِ فکر' حریت آزادی' انسانی حقوق کی ادائیگی پر مبنی ایسا کامل نظام تھا کہ یہ چیزیں آج بھی انسان achieve نہیں کر سکا' بہر حال حضور ﷺ نے انسانی سطح پر جدوجہد کر کے یہ نظام قائم کیا۔ اس راہ میں جو رکاوٹیں اور تکلیفیں آئیں انہیں صبر واستقامت کے ساتھ جھیلا۔ پھر اللہ کی مدد آئی ہے۔ آپؐ نے یہ نظام معجزے کے ذریعے قائم نہیں کیا بلکہ اس راہ میں ہر طرح کی تکلیفیں اٹھائیں تاکہ آنے والوں کے لئے حجت قائم ہو جائے۔ اس میں ہمارے لئے یہ سبق ہے کہ ہم بھی دین حق کے قیام کے لئے اسی طریقے سے ثابت قدمی دکھائیں تو اللہ کی مدد ونصرت آئے گی۔

آگے فرمایا: کہئے کہ: میرے اور تمہارے درمیان بس اللہ کی گواہی کافی ہے وہ یقیناً اپنے بندوں سے باخبر اور سب کچھ دیکھ رہا ہے۔" یعنی اگر یہ لوگ آپؐ کو اللہ کا رسول نہیں مانتے تو اس کا وبال ان کے سر ہے اور آپؐ کے لئے اللہ کی گواہی کافی ہے۔

اگلی آیت میں فرمایا:

"جسے اللہ ہدایت دے دے وہی ہدایت پا سکتا ہے اور جسے وہ گمراہ کرے تو ایسے لوگوں کے لئے اللہ کے سوا آپ کوئی مددگار نہ پائیں گے' اور قیامت کے دن ہم انہیں اوندھے منہ اندھے' گونگے اور بہرے (بنا کر) اٹھائیں گے۔ ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ جب بھی اس کی آگ بجھنے لگے گی ہم ان پر اور بھڑکا دیں گے۔" قانون ہدایت اور ضلالت کے حوالے سے قرآن مجید میں اس قانون کی مختلف شقیں الگ الگ بیان ہوئی ہیں۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ جس کے دل میں ہدایت کی طلب نہ ہو' اللہ اس کو ہدایت نہیں دیتا۔ خاص طور پر وہ لوگ جن پر ہدایت منکشف ہو چکی ہو وہ پھر بھی ہدایت قبول نہ کریں تو ایسے لوگوں کو ایک وقت تک مہلت دی جاتی ہے پھر ان کے دل پر مہر کر دی جاتی ہے۔ اور ایسے لوگ قیامت کے دن اندھے' گونگے اور بہرے بنا کر اٹھائے جائیں گے کیونکہ دنیا میں بھی وہ جانتے بوجھتے اندھے اور بہرے بنے رہے۔ آخرت میں ان کا ٹھکانہ جہنم ہے جس کی آگ بجھنے لگے گی تو اللہ عزوجل پھر اس کو بھڑکا دیں گے۔

آگے فرمایا: "یہ ان کا بدلہ ہے' کیونکہ انہوں نے ہماری آیات کا انکار کیا اور کہا کہ "جب ہم ہڈیاں اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو کیا از سر نو پیدا کر کے اٹھائیں جائیں گے؟"

انہوں نے اللہ کی آیات سن کر ان کا انکار کیا اور بہرے بنے رہے۔ ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال دیا اور آخرت کی زندگی کے منکر ہو گئے' جس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"کیا انہوں نے دیکھا نہیں کہ وہ اللہ جس نے ارض وسماوات کو پیدا کیا' وہ اس پر قادر ہے کہ ان جیسے پیدا کر دے' اس نے ان کے لئے ایک مدت مقرر کر رکھی ہے جس میں شک نہیں مگر ظالم ماننے والے نہیں' وہ بس کفر ہی کرتے ہیں۔"

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اس بات کو سمجھانے کے لئے اس دلیل کو بھی بیان فرمایا ہے کہ کیا پہلی دفعہ پیدا کرنا مشکل ہے یا دوسری مرتبہ مشکل ہے؟ یعنی وہ خالق حقیقی جس نے اس ساری کائنات کو پیدا کیا ہے کیا وہ تمہیں دوبارہ پیدا کرنے پر قادر نہیں ہے؟ اگر تم اللہ کو زمین و آسمان کا خالق مانتے ہو تو کیا وہ دوبارہ پیدا نہیں کر سکتا اور اس کے لئے اللہ نے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ وہ دن یعنی قیامت کا دن آ کر رہے گا۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں آخرت کی تیاری کرنے اور دین حق کے قیام کے لئے اپنا جان و مال کھپانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

حالات حاضرہ

حکومت اور مجلس عمل کے حالیہ گٹھ جوڑ پر اگرچہ ہر طرف سے پھبتیاں کسی جا رہی ہیں تاہم اس سمجھوتے سے ملک کے سیاسی افق پر چھائے ہوئے جمود کے بادل چھٹنے کی امید ہے اور توقع کی جا سکتی ہے کہ قومی وصوبائی اسمبلیوں کو کام کرنے کا موقع ملے گا۔ البتہ اب مجلس عمل میں شامل دینی جماعتوں کا امتحان ہے کہ وہ اسلامی نظام کے نفاذ اور منکرات کے خاتمے کے حوالے سے اسمبلیوں میں اپنا کردار ادا کریں کیونکہ ان کا عذر تھا کہ اس کام میں ایل ایف او سب سے بڑی رکاوٹ ہے جواب دور ہو چکی ہے۔ امریکہ کے کہنے پر ہمارے حکمران اپنے معاشرے کو جس طرح مادر پدر آزادی کی طرف لے کر بڑھ رہے ہیں' وہ انتہائی تشویش ناک ہے۔ اگر ایم ایم اے اس بے دینی کا راستہ روکنے کے لئے اسمبلی میں مضبوط سٹینڈ لے تو انہیں دیگر دینی طبقات اور دینی حمیت رکھنے والے عوام کی بھی بھرپور تائید حاصل ہوگی۔ امریکہ اور اسرائیل کا اصل ٹارگٹ پاکستان اور اس کا ایٹمی پروگرام ہے۔ بھارت سے تعلقات کی بحالی اور مسئلہ کشمیر کے حل کے لئے بیرونی دباؤ بھی اسی لئے ہے کہ ہمارے پاس ایٹمی صلاحیت برقرار رکھنے کا جواز ختم ہو جائے اور یوں ہمارا ایٹمی پروگرام رول بیک کرایا جا سکے۔ انہوں نے کہا کہ ان حالات میں صرف اللہ تعالیٰ کی مقتدر ہستی ہی ہمیں دشمن کے ان ہتھکنڈوں سے بچا سکتی ہے۔ چنانچہ ہمیں چاہئے کہ ہم اللہ کے مخلص بندے بن جائیں اور ملک میں اسلامی نظام کے نفاذ کے عہد کے ذریعے اللہ سے وفاداری کا ثبوت دیں تاکہ اللہ کی مدد ہمارے شامل حال ہو جائے۔

(مرتب: فرقان دانش خان)

پاکستان

دشمنانِ اسلام کا اصل ٹارگٹ

ایوب بیگ مرزا

ایک صاحب علم و بصیرت نے ایک مرتبہ کہا تھا کہ پاکستان اپنوں کی غفلتوں، کوتاہیوں اور غیروں کی سازشوں سے کھائی میں گرا چاہتا ہے لیکن ربِ کائنات کو شاید کچھ اور ہی منظور ہے اور وہ کسی حادثہ فاجعہ سے عین پہلے زمین کا رخ ہی موڑ دیتا ہے اور پاکستان بال بال بچ جاتا ہے۔ اسی بات کو ایک پاکستان دشمن امریکی سینٹر نے یوں کہا ہے کہ پاکستان کا عجیب معاملہ ہے جب بھی ہم اس پر کوئی فیصلہ کن ضرب لگانے والے ہوتے ہیں دنیا میں کوئی نہ کوئی ایسا واقعہ پیش آجاتا ہے کہ سارے معاملات تلپٹ ہو جاتے ہیں اور ہم پاکستان کو نقصان پہنچانے کی بجائے اس سے تعاون طلب کرتے ہیں اور اسے کچھ نہ کچھ امداد پہنچانے اور اس سے تعاون کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ ہر دو اصحاب کی بات کی ہماری ستاون سالہ تاریخ تائید کرتی ہے۔ اوّل الذکر نے یہ بھی کہا اور صد فی صد درست کہا کہ دونوں امکانات ہیں اللہ رب العزت نے اس ملک سے مستقبل میں کوئی انتہائی اہم کام لینا ہو اور وقت آنے پر مسلمانانِ پاکستان رجوع کر کے صراطِ مستقیم پر گامزن ہو جائیں اور عبرت ناک انجام سے دوچار کرنے سے پہلے جھنجھوڑ رہا ہو کہ شاید غفلت سے جاگ جائیں اور یہ حقیقت بھی ہے اور عام عقل و فہم رکھنے والے پاکستانی کو بھی سٹرائیک کرتی ہے کہ ہر نئے دن ملنے والی یہ ذلت و رسوائی جواب ایک انتہاء کو پہنچ رہی ہے شاید ہماری غیرت و حمیت کو جگا دے۔ شاید ہمیں بھولا ہوا سبق یاد دلا دے اور ہم نظریۂ پاکستان کو عملی تعبیر دینے کے لئے کمر باندھ لیں۔ ہمیں مغربی جمہوریت راس نہیں آئی۔ ہمیں اسلامی سوشلزم راس نہیں آیا۔ مارشل لاء ہمارا کچھ نہ سنوار سکے۔ بلکہ مزید بگاڑ پیدا کر دیا۔ پارلیمانی جمہوریت بری طرح ناکام ہوئی۔ صدارتی نظام چل نہ سکا۔ شاید قدرت ہمیں گھیر کر اسلامی نظام کی طرف دھکیل رہی ہے۔ اسلامی نظام کا پاکستان میں قیام مسلمانانِ پاکستان کی دینی ذمہ داری ہی نہیں دنیوی سطح پر بھی ہمارے لئے یہی واحد راستہ بچا ہے۔ آنکھیں اور ذہن بند کر لینے سے خطرہ نہیں ٹل سکتا جو قوم وقت کا تقاضا نہیں سمجھتی اور صحیح وقت پر صحیح فیصلہ نہیں کرتی، وقت بھی تاریخ میں اس کو وہ مقام دیتا ہے کہ اپنے ماتم کناں رہتے ہیں اور پرائے لعنت بھیجتے رہتے ہیں۔

اس وقت بھی یہی صورت حال ہے۔ دنیا میں اسلام دشمنی میں ایک اتحاد قائم ہو چکا ہے۔ امریکہ اس اتحاد کا سربراہ ہے اور یہ دشمنانِ اسلام افغانستان سے طالبان کی اسلامی حکومت کا خاتمہ کر کے اس ملک کو تباہ و برباد کر چکے ہیں اور اب اس کا اسلامی تشخص ختم کرنے کے درپے ہیں۔ اس مقصد کیلئے اس کی افواج بھی وہاں موجود ہیں اور بعض طالبان دشمن افغانیوں سے طالبان کی دشمنی کی آڑ میں اسلام دشمنی کا کام لے رہے ہیں۔ عراق جسے اسرائیل اپنا دشمن نمبر ون قرار دیتا تھا اور جو اسرائیل کا مقابلہ کرنے کی کچھ نہ کچھ سکت رکھتا تھا، اسے بھی تباہ و برباد کر دیا گیا ہے اور وہاں بھی امریکی فوجی بہت بڑی تعداد میں موجود ہیں۔ اس اسلام دشمن اتحاد کے، جس کا سربراہ امریکہ ہے، اسرائیل اور بھارت سرگرم رکن اور امریکہ کے پارٹنرز ہیں۔ مشرقِ وسطیٰ کے مسلمان ممالک کو اسرائیل اپنا دشمن سمجھتا تھا لہٰذا امریکہ کی پشت پناہی سے اسرائیل ان سب کو اپنے سامنے سرنگوں ہونے پر مجبور کر چکا ہے۔ مشرقِ وسطیٰ کے مسلمان ممالک سے امریکہ کے دوسرے پارٹنر بھارت کو کوئی پرخاش نہیں ہے۔ ان میں سے بعض کے مسلمان ملک ہونے کے باوجود پاکستان سے زیادہ بھارت سے دوستانہ تعلقات ہیں۔ لطف کی بات یہ ہے کہ اس اسلام دشمن اتحاد میں امریکہ کے دونوں پارٹنرز پاکستان کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں بھارت پاکستان کا ازلی اور پیدائشی دشمن ہے اور اسرائیل پاکستان کی فوجی صلاحیت اور ایٹمی قوت کو اپنی سلامتی کے لئے زبردست خطرہ قرار دیتا ہے۔ راقم نے پاکستان کی ایٹمی قوت کے ساتھ فوجی صلاحیت کو اس لئے اسرائیل کے لئے خطرہ قرار دیا ہے کہ 1967ء میں جب اسرائیل نے مشرقِ وسطیٰ میں اپنی فتح کا جشن منایا تھا تو اس وقت کے اسرائیل کے وزیراعظم نے فرانس میں علی الاعلان کہا تھا کہ مشرقِ وسطیٰ کے مسلم ممالک سے ہمیں کوئی خطرہ نہیں ہمارا اصل مقابلہ پاکستان سے ہے۔ یاد رہے کہ پاکستان اس وقت ایٹمی قوت نہیں بنا تھا۔ اب پاکستان ایٹمی قوت بن چکا ہے جس سے اسرائیل میں بہت تشویش پائی جاتی ہے اور اسرائیل کے پاس ایسے وسائل موجود ہیں اور امریکہ میں اسے اس سطح پر رسائی حاصل ہے کہ وہ امریکی انتظامیہ پر یہ کامیاب دباؤ ڈال سکے کہ وہ پاکستان کے خلاف کوئی عملی اقدام کرے۔ رہا بھارت تو اس نے ہمارے وجود کو پہلے دن سے تسلیم نہیں کیا اور آج جو جنونی مذہبی ہندو ''بی جے پی'' کی حکومت میں فیصلہ کن اختیارات رکھتا ہے وہ پاکستان کے ''ناپاک وجود'' کو مٹانے کے معاملے میں اپنے نظریات کو بالکل چھپاتا نہیں۔

اس ساری بحث کا حاصل یہ ہے کہ اسلام دشمن اتحاد میں جس ملک کو بدترین کانٹا سمجھا جا رہا ہے وہ پاکستان ہے اور اس کی بربادی کے بہت بلند سطح پر مشورے ہو رہے ہیں اور سازشوں کا جال بچھایا جا رہا ہے۔ ایک طرف یہ رٹ لگائی جا رہی ہے کہ پاکستان اور بھارت دوستی کریں، دوستی کریں۔ امریکہ خصوصاً پاکستان کو مجبور کر رہا ہے کہ وہ ایسے یک طرفہ اقدامات کریں جن کا بھارت مطالبہ کر رہا ہے اور جنہیں وہ Confidence building steps قرار دیتا ہے تاکہ بی جے پی کی اندرون ملک سیاسی حالت بھی متاثر نہ ہو اور پاک بھارت بحالی تعلقات کا ڈول بھی ڈالا جا سکے۔ پھر کشمیر میں کنٹرول لائن کو تھوڑا بہت آگے پیچھے کر کے کہا جائے گا کہ کشمیر کا یہ حل قبول کرو اور بھارت سے دوستی کرو۔ اگر پاکستان کشمیر کا حل قبول کر لے تو بھارت سے دشمنی اور جنگ کا جواز ختم ہو جائے گا اور پھر پاکستان سے کہا جائے گا کہ اپنی ایٹمی صلاحیت مکمل طور پر ختم کرو اور ہمیں انسپکشن کروا دو۔ کیونکہ ایٹمی صلاحیت ختم کرنے کے امریکی مطالبے پر پاکستان ہمیشہ یہ کہتا رہا ہے کہ اسے بھارت سے اپنی سلامتی کا خطرہ ہے اور اگر پاکستان کشمیر کے مسئلہ کا امریکی حل قبول نہیں کرتا اور بھارت سے دشمنی کا جواز ختم نہیں ہوتا تو دوسری طرف سے بھی تیاری مکمل کی جا رہی ہے۔ شمالی کوریا کو ایٹمی ٹیکنالوجی دینے اور میزائل ٹیکنالوجی لینے کا الزام ہم پر بہت پہلے دھر دیا گیا تھا اب یہ کہا جا رہا ہے کہ ہمارے پاس اس کے ناقابل تردید شواہد موجود ہیں لہٰذا پاکستان کی تردید کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ اصل بات یہ ہے کہ پاکستان چونکہ دہشت گردی کے خلاف مہم میں ہمارا حلیف ہے، لہٰذا فی الحال اس معاملے کو نظر انداز کیا جائے گا۔ ایران کی گردن پر انگوٹھا رکھ کر اس سے یہ بات منوالی گئی ہے کہ پاکستان اسے ایٹمی ٹیکنالوجی کی منتقلی اور بعض فارمولوں کو ہمارے حوالے کرنے کا مجرم ہے۔ لیبیا

کے صدر معمر قذافی جنہوں نے اچانک اپنی ٹون بدلی ہے اور جن کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے اتنی بڑی قلابازی لگائی ہے کہ القاعدہ والوں کے خلاف امریکہ کی مخبری کی ہے' ان کے صاحبزادے سیف الاسلام قذافی نے واضح الفاظ میں یہ کہا ہے کہ انہوں نے کروڑوں پاؤنڈ دے کر پاکستانی سائنس دانوں سے ایٹمی فارمولے حاصل کئے تھے۔ معمر قذافی امریکہ دشمنی میں بھی جس قدر غیر ذمہ داری کا مظاہرہ کرتے رہے ہیں اور جس طرح کی مجنونانہ حرکتیں کرتے رہے ہیں کوئی ذمہ دار شخص بھی ان سے ایسا خطرناک تعاون کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ اب چونکہ وہ امریکہ سے تعاون کرنے کے معاملے میں دوسری انتہا پر چلے گئے ہیں اس لئے کوئی عجب نہیں کہ ان کے بیٹے نے یہ الزام امریکی اشارے پر دیا ہو۔ قصہ مختصر اگر پاکستان نے بھارت دشمنی کا جواز ختم کیا تو مذکورہ شہادتوں پر اس کے خلاف فائل تیار کی جا چکی ہے۔ اس حوالے سے جو خطرناک ترین بات سامنے آئی ہے وہ واجپائی کا یہ بیان ہے کہ ہم اپنے ایٹمی اسلحہ کو ختم کرنے کو تیار ہیں۔ بھارت کے لئے یہ کہنا آسان اس لئے ہے کہ سیّاں کوتوال ہے۔ اسرائیل کی مثال لے لیں۔ اس نے ابھی تک ایٹمی تجربہ نہیں کیا لیکن ایک اندازے کے مطابق اس کے پاس دوسو ایٹم بم ہیں اس لئے کہ امریکہ اپنے ہر ایٹمی تجربے کا مکمل ڈیٹا اسے مہیا کر دیتا تھا۔ ایٹمی تجربہ اسرائیل نے اس لئے نہیں کیا تاکہ امریکہ کو اس پر اخلاقی دباؤ بھی نہ ڈالنا پڑے۔ پھر یہ کہ امریکہ اور برطانیہ کے ایٹمی تجربوں کا مکمل ڈیٹا حاصل کرنے کے بعد اسے تجربوں کے جھنجھٹ میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے۔ اسی طرح بھارت کے ایٹمی اسلحہ ختم کرنے کا ڈرامہ رچا کر پاکستان میں ایسی چھان بین کی جائے گی کہ ہمارے لئے ایٹمی صلاحیت بچا کر رکھنا ممکن نہیں رہے گا۔ بہر حال پاکستان کو ایٹمی صلاحیت سے محروم کرنے کا یہ دوطرفہ پروگرام ہے۔ یہاں ایک بات واضح رہنی چاہئے کہ بھارت پاکستان کا خاتمہ چاہتا ہے جبکہ امریکہ ایک کمزور اور محتاج پاکستان قائم رکھنا چاہتا ہے لیکن یہ امریکہ کی بہت بڑی بھول ہے کہ بھارت کو کینڈے میں رکھنے کے لئے ایک کمزور اور لاغر پاکستان قائم رکھا جا سکے گا۔ بھارت کے لئے جب ممکن ہو گا اور جب بھی وہ پاکستان کو ہڑپ کرنے کی پوزیشن میں ہو گا۔ وہ کسی قسم کا امریکی دباؤ قبول نہیں کرے گا۔ وہ کمزور پاکستان کو ختم کر کے اکھنڈ بھارت کے خواب کی تعبیر چاہے گا یا اس کمزور پاکستان کو نیپال اور بھوٹان کی طرح اپنے مفادات کے حصول کے لئے استعمال کرے گا۔ راقم کی رائے میں بھارت کو اگر خطے میں یہ حیثیت حاصل ہو گئی تو وہ فوری طور پر امریکہ سے آنکھیں پھیر لے گا اور چین کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھائے گا۔ ایران اور روس سے پہلے ہی اس کے تعلقات بہت اچھے ہیں۔ وہ ان ممالک سے مل کر سات سمندر پار آئے ہوئے امریکہ کو خطے سے نکالنے کی بھرپور کوشش کرے گا کیونکہ امریکہ کے ہوتے ہوئے کوئی دوسرا ملک اس خطے کے وسائل کا lion Share حاصل نہیں کر سکتا۔ علاوہ ازیں امریکہ اپنے مفادات کے لئے بھارت کی سلامتی اور وحدت کے لئے بھی خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ بہر حال یہ مفادات کا کھیل ہے۔ ہمیں اپنی جانوں پر کھیل کر بھی اپنی ایٹمی صلاحیت کی حفاظت کرنی ہوگی۔ اگر کسی لالچ یا دھوکہ میں آ کر ہم نے اپنی ایٹمی صلاحیت Surrender کر دی تو ہم امریکی یا بھارتی چھری تلے ہوں گے۔ اب یہ ان پر منحصر ہے کہ کوئی ہمیں کس طرح ذبح کرتا ہے۔ ہماری فوری بچت گھوڑے اور تلوار تیار رکھنے میں ہے اور ہمیں اصل مقام صرف اسلامی نظام کے قیام سے مل سکتا ہے' وگرنہ دشمن کو ہمیں نیست و نابود کرنے میں چنداں دشواری پیش نہیں آئے گی۔

❁

اللہ دیکھ رہا ہے

بظاہر دیکھنے میں کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ کوئی دیکھنے والا' آنکھوں کو نظر نہیں آتا۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ قلم چل رہے ہیں۔ کاتب بیٹھے لکھ رہے ہیں۔

کیمرہ آن ہے۔ فلم بن رہی ہے۔ نیگیٹو تیار ہو رہے ہیں۔

نقوش ثبت ہو رہے ہیں۔ روزنامچے مرتب ہو رہے ہیں۔

اقوال فضا میں تحلیل ہو کر منتشر ہو رہے ہیں۔ برقی لہریں ان اقوال کو کیسٹوں میں محفوظ کر رہی ہیں۔

انسان کا ہر قول بلا کسی کمی و بیشی' حذف و اضافے' تحریف و تبدیل کے رجسٹر میں لکھا جا رہا ہے اور اس کے ہر عمل کی تصویر لی جا رہی ہے۔

لاکھوں' کروڑوں کارپرداز ان الٰہی ہر آن ڈیوٹی پر لگے ''حضرت انسان'' کے اعمال کو دفتر میں درج کر رہے ہیں ان میں نیک و بد' متقی و شقی' ظالم و مظلوم' قاتل و مقتول' کسی کی بھی قید نہیں...... ہر انسان کی زندگی کی پوری فلم تیار ہو رہی ہے۔

اور جب پردہ اٹھے گا تو انسان اپنی زندگی کی فلم خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا۔ اس فلم کے مناظر ایک ایک کر کے اس کی نگاہوں کے سامنے آتے جائیں گے۔

یہ فلم یا تو طربیہ ہو گی یا المیہ

طربیہ ہو گی تو اس فلم کے ہیرو کی خوشی کا کیا پوچھنا' اس کے لئے عیش ہی عیش ہو گی اور آرام ہی آرام......

اور اگر المیہ ہو گی تو اس فلم کے ولن (بدمعاش' شریر) کے دکھ و الم میں مزید اضافہ ہو گا۔ اس کا مکروہ چہرہ نمایاں ہو کر دکھائی دے گا۔

دنیا میں تو وہ سفید پوش تھا۔ سیاہ و سفید کا مالک تھا۔ عہدہ و منصب اپنے پاس رکھتا تھا۔ یہ فلم بتائے گی کہ وہ قوم فروش' ملت فروش' ضمیر فروش اور ہزاروں انسانوں کا قاتل تھا۔ بندۂ ہوا و ہوس اور نفس کا غلام تھا۔ حاسد' حریص' مفسد اور ایک نمبر کا جھوٹا تھا۔ چوری' غبن اور ڈاکہ سے جمع کی ہوئی دولت کا مختار تھا۔

اقتدار کی خاطر لوگوں کو باہم لڑاتا اور ان میں پھوٹ ڈالتا تھا۔ خدائی احکام کا مذاق اڑاتا تھا۔ شعائر اسلام کی توہین کرتا تھا۔ شریعت الٰہی کے نفاذ کا سخت مخالف تھا۔

خدا کے دوستوں کا دشمن اور خدا کے دشمنوں کا آلہ کار تھا۔

وہ خود کو شریف' معزز' دانا اور عاقل سمجھتا تھا' لیکن پرلے درجے کا احمق اور ایک ذلیل انسان تھا۔

اسے مومنوں سے سخت نفرت تھی اور انہیں حقارت کی نظروں سے دیکھتا تھا۔ ان سے ملنے جلنے' راہ و رسم بڑھانے' ان سے تعلقات قائم رکھنے ان کے دکھ درد میں شریک ہونے اور عام آدمیوں کی طرح ان کے ساتھ رہنے کو اپنی شان کے خلاف سمجھتا تھا۔

جب وہ اپنے کرتوتوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھے گا تو حواس باختہ ہو کر اپنے گرد و پیش نگاہیں دوڑائے گا مگر فرار ہونے کے تمام راستے مسدود پائے گا۔ پہلے تو شور و غل مچائے گا' چیخے گا اور چلائے گا۔ پھر اس پر مردنی چھا جائے گی۔ رنج و الم سے اس کی گردن سے جھک جائے گی۔ ہاتھ پاؤں ڈھیلے پڑ جائیں گے۔

اسی آن خدائی کارکن آ موجود ہوں گے اسے اپنی تحویل میں لے لیں گے اس کی پیشانی کے بال پکڑ لیں گے اور اس کے پاؤں کو پکڑ کر کھینچتے ہوئے جہنم کی طرف لے جائیں گے اور جہنم کے نچلے حصے ''اسفل السافلین'' میں پھینک دیں گے۔

اور وہ ہمیشہ وہیں رہے گا......
اپنے کئے کا مزا چکھنے'
اور اپنے اعمال کی سزا بھگتنے کے لئے۔

مرسلہ: شہر اللہ خان' سوات.

عوام میڈیا کی زد میں

یہ عام سوال ذہن میں ابھرتا ہے کہ وہ "مہذب" قوم جو کہ اپنے کتوں سے بھی اتنا پیار کرتی ہے وہ جن کے ہاں ایک بلی کے مرجانے پر سوگ کا اعلان کر دیا جاتا ہے وہ فلسطین، کشمیر، بوسنیا اور چیچنیا میں مرنے والوں سی اتنی نفرت کیوں کرتے ہیں۔ اس میں ان بے چاروں کا کوئی قصور نہیں ہے کیونکہ ہمارے بھی کاموں پر جوں نہیں رینگتی، اس لئے کہ اس تمام صورت حال کو 21 ویں صدی کا میڈیا کنٹرول کر رہا ہے۔ میڈیا بن لادن جیسے بندوں کو وحشی بنا دیتا ہے۔ شیرون کو امن کے دیوتا کا لقب مل جاتا ہے۔ یہ میڈیا کی مرضی ہے کہ وہ کونسی خبر کس وقت، کس لہجے میں اور کس طرح عوام تک پہنچاتا ہے۔ یہ میڈیا، یہ ذرائع ابلاغ، عوام کی برین واشنگ میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ ان کا جب دل چاہے تو صومالیہ کے بھوکے، ننگ دھڑنگ بچوں کی تصویریں دکھا کر ان کی مدد کے لئے فوج بھیج سکتے ہیں، جو کہ اپنی کارروائیوں سے عیسائی مملکت اریٹریا کو وجود میں لانے میں اہم کردار ادا کرتی ہے لیکن وہی میڈیا افغانستان میں قلعہ میں طالبان کے قتل عام، ان کے خون سے ہولی کھیلنے، کنٹینروں میں قیدیوں کے مرنے کے واقعات کو منظر عام پر نہیں لاتا۔

میڈیا کی مرضی ہے کہ وہ اسرائیل میں خودکش حملے کے بعد کے مناظر دکھائے لیکن ایک ٹینک معصوم بچوں کو گولے سے اڑا دے، اس پر خاموش رہے۔

یہ میڈیا کی مرضی ہے کہ وہ پاکستان کو ترقی یافتہ ملک ظاہر کرنے کی کوشش کرے، جبکہ حقیقت میں وہ دیوالیہ ہونے کی دہلیز پر ہو۔

آیئے ہم دیکھتے ہیں کہ آج کل میڈیا اور ذرائع ابلاغ کس طرح عوام کو اپنی گرفت میں لئے ہوئے ہیں۔

ذرائع ابلاغ کی دو بڑی شاخیں ہیں (پرنٹ میڈیا، اور الیکٹرونک میڈیا) پرنٹ میڈیا میں اخبارات، جرائد، پمفلٹ، کتابیں وغیرہ آتے ہیں جبکہ الیکٹرونک میڈیا میں ٹی وی، ریڈیو اور انٹرنیٹ شامل ہیں۔

پرنٹ میڈیا

اس وقت دنیا میں دو کثیر الاشاعت میگزین ٹائم اور نیوز ویک ہیں۔ ان دونوں کے مالکان اور مدیر اعلیٰ یہودی ہیں، اس لئے وہ اپنے نقطہ نظر اور طرز سے خبریں اور کہانیاں چھاپتے ہیں۔ امریکہ کے تین بڑے اخبارات واشنگٹن پوسٹ، وال سٹریٹ اور نیویارک ٹائمز کے بھی مالکان اور مدیر اعلیٰ یہودی ہیں۔ ان اخبارات اور جرائد کا امریکیوں کی زندگی میں بڑا عمل دخل ہے، بلکہ امریکہ کے سیاسی نظام کو بھی کافی حد تک کنٹرول کرتا ہے۔

اس کے علاوہ Associated Press(AP) بھی یہودیوں کی ہے۔ اس خبر رساں ایجنسی کے حوالے سے خبریں پوری دنیا میں پھیلتی اور چھپتی ہیں۔

پاکستانی اخباروں کا حال

اگر ہم اپنے اخباروں پر نظر ڈالیں تو اس میں غیر ملکی ایجنسیوں کے حوالے سے گندی سیاست، فضول کالم اور دہشت گردی کی خبریں غیر ملکی چھاپی جا رہی ہیں مثلاً وائس آف جرمنی کے مطابق لاہور میں جزوی ہڑتال کی گئی اور ریڈیو تہران کے مطابق اسامہ پاکستان میں ہیں۔

شام کے اخبارات کے احوال اور خبروں کے مزاج سے سب واقف ہیں۔

الیکٹرونک میڈیا

سب سے بڑی خبر رساں کمپنی CNN، Time Magazine کے بینر تلے کام کرتی ہے۔ اس کے علاوہ امریکہ کی Fox News, CNBC, ABL خبر رساں کمپنیاں بھی یہودیوں کے زیر سایہ ہیں۔ ان کے مالکان یہودی ہیں۔ Warner Brothers کے نام سے کون واقف نہیں ہے۔ اس کمپنی کا پورا نام Time Warner Aol Company ہے۔ AOL امریکہ کا سب سے بڑا انٹرنیٹ ادارہ ہے۔ اس کمپنی کے جھنڈے تلے H.B.O مشہور زمانہ، فلمی چینل اور Distributors کا نام بھی آتا ہے۔ ان تمام کا چیف ایگزیکٹو یہودی ہے۔

والٹ ڈزنی شخص کے بعد اب والٹ ڈزنی کمپنی بھی اب یہودیوں کے زیر سایہ ہے۔ اور Fox News کی مالک 20th Century Fox ہے۔ یہ دونوں دنیا کی دوسری اور تیسری بڑی کمپنیاں ہیں جن میں ہر ایک کی سالانہ آمدنی 8 ارب ڈالر سے زیادہ ہے۔ اتنا تو ہمارے ملک کا بجٹ بھی نہیں ہوتا۔ Steven Spialberg کے نام سے کون واقف نہیں ہے۔ Dream Works کمپنی کا مالک بھی یہودی ہے۔ Gill Gates کا نام قابل ذکر ہے۔ مائکروسوفٹ کمپنی کا یہ مالک جو دنیا کا امیر ترین شخص ہے اپنے آپ کو "سیکولر یہودی" کہلوانا پسند کرتا ہے۔ اس کے علاوہ کھیلوں کا چینل ESPN، نوجوانوں کا چینل MTV، بچوں کے چینل Nickldeon بھی یہودیوں کے ہیں۔

برطانیہ میں حال ہی میں نمبر ایک نیوز چینل Sky News نے Fox News کے ساتھ Join Venture شروع کیا ہے۔ اور بی بی سی پر بھارت کا اثر نمایاں ہے۔ یہاں تک کہ اردو سروس میں بھی بھارتی صحافیوں کا غلبہ ہے۔

پاکستانی عوام کے دلوں پر بھارتی اور یہودی لابی کا قبضہ

پچھلے دنوں پورے ملک کے کیبل آپریٹرز نے ہڑتال کی۔ ان کا مطالبہ تھا کہ حکومت بھارتی چینلز Star Plus، Zee Tv اور Sony پر سے پابندی اٹھائے اور بقول ان کے یہ خواتین کی فرمائش ہے۔ اس خبر پر اظہار خیال کرنا ضروری نہیں ہے۔ اس وقت ہمارے ہاں بندے ماترم، ہوم جئے جگدیش نغموں کی صورت میں بچے گنگناتے نظر آتے ہیں۔ ان چینلز کو صرف شہروں میں نہیں گاؤں گاؤں پسند کیا جاتا ہے۔

اس کے علاوہ اوپر درج کئے گئے تمام چینلز (امریکی) ہمارے یہاں نشر کئے جاتے ہیں اور پسند کئے جاتے ہیں۔

ہمارے چینلز پی ٹی وی، اے آر وائی ڈیجیٹل، انڈس، جیو زیادہ ناچ گانے کے مناظر دکھاتے ہیں۔ خبر نامہ PTV کی خبریں ہمارے سامنے ہیں۔ پی ٹی وی ورلڈ نیوز سیٹلائیٹ چینل پر اردو خبریں اور پی ٹی وی کے خبر نامہ میں فرق صرف خاتون کے سر پر دوپٹہ لینے کا ہے۔ دوپٹہ اتار دینے سے ہم بین الاقوامی معیار کے ہو جاتے ہیں۔

14 اگست ہو یا 6 ستمبر، 9 نومبر ہو یا 25 دسمبر گانے گا کر، اور وہ بھی وہ نغمے جن کا اس دن سے کوئی تعلق نہیں ہوتا صبح شام نشر کئے جاتے ہیں۔ فروری میں بسنت کے پورے مناظر براہ راست دکھائے جاتے ہیں۔ تمام بڑی انگریزی کمپنیوں کی فلموں کو سنسر کرنے کے بعد تمام سینما ہال میں لگایا جاتا ہے جبکہ ہماری فلمیں شاید ان تمام سنسر کے مراحل سے گزرتی نہیں ہیں۔ ہمارے سٹیج ڈرامے یہودی، عریانی اور فحاشی میں ہر حد عبور کر گئے ہیں۔

اس تمام صورتحال کے ذمہ دار ہم خود ہیں۔ ہم اپنے بچوں کو خود تہذیب نہیں سکھاتے۔ بچے اگر ٹی وی سے نمستے سیکھ رہے ہیں تو اس کا قصوروار بھارت ہرگز نہیں ہے بلکہ والدین ہیں جو کہ بچوں کو السلام علیکم کہنے کی بجائے Hello، Hi کہنا سکھاتے ہیں۔ اس کا عملی نظارہ اپنے چینلز پر غور سے دیکھنے سے ہو جاتا ہے۔

پراسرار روٹیاں اور کنول کا پھول

سید قاسم محمود

ناقابل برداشت حد تک خراب معاشی' سماجی اور سیاسی حالات نے ارباب فکر ونظر کو یہ سوچنے پر بالآخر مجبور کر دیا کہ انگریزی سامراج کا بڑھتا ہوا سیلاب جو مغل شہنشاہیت اور دوسری خودمختار ریاستوں کی عظمت و وقار کو سوکھی جھاڑیوں کی طرح بہاتا چلا جارہا تھا' اب ہر قیمت پر روکنا پڑے گا۔ ملک خاموش تھا' فضا میں سناٹا تھا' مگر یہ خاموشی اور یہ سناٹا بڑا دہشت ناک اور پُر فریب معلوم ہوتا تھا۔ عوام انگریز کے ظلم و ستم سے تنگ آ چکے تھے۔ امراؤ جاگیردار ناراض تھے۔ فوج ناخوش تھی۔ یہ سب کچھ تھا' مگر انگریزی قہرمانی اور گھمنڈ میں اضافہ ہی ہوتا چلا جاتا تھا۔ یہ حالات تھے کہ آنے والے طوفان کی گرج سنائی دینے لگی۔ ملک کے مختلف حصوں میں سازشیں ہونے لگیں۔ بغاوت کی تیاریاں شروع ہوگئیں۔

مثلاً **1857**ء کی پہلی سہ ماہی میں پُر اسرار چپاتیاں تقسیم ہونے لگیں۔ گندم اور جو کے آٹے کی یہ چپاتیاں جو اندازاً دو تولہ وزنی اور انسانی ہتھیلی کے برابر تھیں' شمالی ہند کے تقریباً تمام دیہات میں نہایت تیزی سے تقسیم ہوئیں۔ لیکن جنوری' فروری **1857**ء میں یوپی اور سی پی میں بھی پائی گئیں۔ بہار اور جھانسی میں بھی پائی گئیں۔ اندازہ ہے کہ سب سے پہلے جنوبی یا وسطی حصوں میں کہیں سے شروع ہوئیں۔ **19** فروری **1857**ء کو گوڑ گاؤں کے کلکٹر نے رپورٹ بھیجی کہ یہ چپاتیاں وہاں کے دیہات میں تقسیم کی جا رہی ہیں۔ ان کو روکنے کے لئے احکام جاری ہوئے اور دہلی کے مجسٹریٹ نے بھی تقسیم بند کرانے کی کوشش کی' مگر اس وقت تک یہ پنجاب میں پہنچ چکی تھیں اور تمام دیہات میں پھیل گئی تھیں۔ پہاڑ گنج (دہلی) کے تھانیدار معین الدین نے بھی اپنے روزنامچے میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔ ان کے بھائی نے جو بدر پور کا تھانیدار تھا' اطلاع دی کہ یہاں چپاتیاں اور بکرے کے گوشت کی بوٹیاں تقسیم کی جا رہی ہیں۔ وہ متھرا اور علی گڑھ بھی گیا۔ یہاں بھی چپاتیاں تقسیم ہو چکی تھیں۔ ان کی تقسیم کا طریق کار یہ تھا کہ گاؤں کا چوکیدار دوسرے گاؤں کے چوکیدار کو چپاتی دے جاتا اور یہ ہدایت کرتا کہ اس قسم کی پانچ روٹیاں پکا کر آس پاس کے دیہات میں اسی ہدایت کے ساتھ تقسیم کر دے۔ اندازہ ہے کہ جنوری سے شروع ہو کر مارچ تک یہ چپاتیاں تمام شمالی ہند میں بارک پور (میرٹھ) سے انبالے تک' اور دہلی سے ساگر اور نربدا تک کے ضلعوں میں پھیل چکی تھیں۔ ان چپاتیوں کی تقسیم سے عوام میں خوف و ہراس کی لہر دوڑ گئی اور مختلف چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ سپاہیوں میں بھی یہ روٹیاں تقسیم ہوئیں۔ "ایامِ غدر" میں ایک فرانسیسی عورت کا بیان نقل ہوا ہے۔ وہ لکھتی ہے:

"جب یہ کلچہ دست بدست ایک سپاہی سے دوسرے سپاہی کو ملتا ہے تو اس پر نظر پڑتے ہی ہر سپاہی کا چہرہ متغیر ہو جاتا ہے۔ غیظ و غضب کے آثار چہرے سے ہویدا ہونے لگتے ہیں' اگرچہ وہ زبان سے کچھ نہیں کہتے' مگر دل ہی دل میں انگریزوں پر پیچ و تاب کھاتے ہیں۔"

چپاتیوں کی اس پراسرار گردش کو اوّل اوّل انگریز حکام نے مطلق اہمیت نہ دی اور جب وہ ان کی روک تھام پر متوجہ ہوئے تو وہ تمام ملک میں پھیل چکی تھیں۔ انگریز مورخوں نے اس لئے اہمیت نہ دی کہ وہ **1857**ء کی بغاوت کو چند سرکش سپاہیوں اور ناخوش جاگیرداروں کی فتنہ پردازی ثابت کرنا چاہتے تھے' لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ چپاتیاں اس خفیہ اور منظم گروہ کی ایجاد تھیں جو ملک میں خاموشی سے اپنا کام کر رہا تھا اور یہ ہندوستان کے کروڑوں جاہل اور غریب عوام کو ہوشیار کرنے کا ایک طریقہ تھا کہ وہ جنگ آزادی کے لئے تیار ہو جائیں۔ یہ گویا مسلمانوں اور ہندوؤں کی جانب سے انگریزوں کے خلاف آزادی کا مشترکہ اعلان تھا۔

مولانا احمد اللہ شاہ:

صحیح طور پر پتا نہیں چل سکا کہ یہ چپاتیاں کہاں سے شروع ہوئیں۔ خیال کیا جاتا ہے کہ مولانا احمد اللہ شاہ نے یہ چپاتیاں اپنے دورانِ سفر میں شروع کیں۔ فریزر ان کے بارے میں لکھتا ہے: "ایک عالم فاضل فیض آبادی مولوی نے دہلی' میرٹھ' کلکتہ اور پٹنہ کا سفر کیا۔ وہ بغاوت پھیلا رہا تھا اور ہمہ گیر سازش کے پوشیدہ جال نہایت ہوشیاری سے بُن رہا تھا۔" مولانا احمد اللہ شاہ نے تمام ملک خصوصاً شمالی ہند میں جگہ جگہ خود جا کر تحریر و تقریر کے ذریعے بغاوت کی انقلابی تحریک کو منظم کیا اور لوگوں کو جنگ آزادی پر آمادہ کیا۔ شاہ صاحب دہلی بھی آئے' مگر یہاں عجیب رنگ تھا۔ مغل شہزادے عیش و عشرت میں مست' امراء عیاش اور عوام مدہوش تھے۔ آپ نے ذی شعور اور ذی احساس طبقے کو نہایت خفیہ طور پر اس کی طرف متوجہ کیا۔ مفتی صدر الدین آزردہ کے مشورے سے آگرہ گئے اور انہی کے خط سے جان پہچان پیدا کی۔ ڈاکٹر وزیر خان اور مولانا فیض احمد بدیوانی بھی شریک کار ہو گئے اور کافی لوگ آپ کے معتقد ہو گئے۔ مولانا رحمت اللہ کیرانوی بھی اس سلسلے میں دہلی آئے تھے۔ اسی طرح ایک اور مولوی صاحب جن کا تذکرہ خواجہ حسن نظامی نے "بیگمات کے آنسو" میں کیا ہے' یہ تصدیق کرنے دہلی آئے تھے کہ نئے کارتوسوں کے متعلق افواہیں کس حد تک درست ہیں۔ ان کے جذبۂ صادق کا اندازہ لگائیے۔ وہ ایک شخص یوسف سے کہتے ہیں: "ہم صرف ثبوت چاہتے ہیں' تاکہ ہمارا انتقام اللہ کے نزدیک جائز ہو جائے۔" تصدیق کرنے کے بعد یہ مولوی صاحب میرٹھ چلے گئے جہاں سے بغاوت کا پہلا پتھر برسا تھا۔

خفیہ تحریک:

1854ء میں جب نانا صاحب کے وکیل عظیم اللہ خان انگلستان گئے تو وہاں ناکامی کے بعد انہوں نے انقلاب کا منصوبہ بنانا شروع کر دیا تھا۔ اس مقصد کے تحت وہ مختلف ممالک میں گھومے۔ یورپ کا دورہ کیا۔ ترکی کے دارالحکومت گئے۔ قسطنطنیہ کے عمر پاشا کو خطوط لکھے اور روس میں بھی کچھ عرصہ قیام کیا۔ یہ خفیہ تحریک سب سے زیادہ دہلی میں جڑ پکڑ رہی تھی اور مغل شہزادے اس کام میں مصروف تھے۔ لال قلعہ میں باتیں ہوتی تھیں کہ عنقریب فوجیں بغاوت کریں گی اور عوام ان سے مل کر فرنگی راج کا جوا اتار پھینکیں گے۔ مائیں اپنے بچوں سے دعائیں کراتی تھیں کہ فرنگی جڑ بنیاد سے غارت ہو جائے۔ مسجدوں اور مندروں میں بھی دعائیں ہوتی تھیں۔ اگست **1855**ء میں انگریزوں نے ایک خط پکڑا جو امیر کابل کے نام تھا۔ یہ خط

لکھنؤ سے لکھا گیا تھا اور ان سے بغاوت کے لئے امداد کی امید ظاہر کی گئی تھی۔ اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ خفیہ جماعتیں کافی عرصہ پہلے سے سرگرم عمل تھیں۔

اودھ کو جبری طور پر ختم کرنے کے بعد انگریزوں نے واجد علی شاہ اور ان کے ہمراہی کلکتہ بھیج دیئے گئے۔ وہاں ان کے وزیر علی نقی خان ان تمام خطرناک اور خفیہ انقلابی تحریک میں ہمہ تن مصروف تھے اور بنگالی فوج کو اُکسا رہے تھے۔ باالثر علماء نے جہاد کی اہمیت پر زور دیا۔ گاؤں اور شہروں میں دورے کئے۔ تقریریں کیں۔ رضا کاروں نے گھر گھر جا کر چندہ کیا۔ ہزاروں فقیر' پنڈت' سادھو اور سنیاسی ملک کے گوشے گوشے میں بغاوت کے بیج بونے کے لئے پھیل گئے۔

مولانا احمد اللہ شاہ نے ملک گیر دورے کرنا شروع کئے۔ وہ ہزاروں کے مجمع میں یہ بانگ دہل تقریر کرتے اور بتاتے تھے کہ وطن اور مذہب کو بچانے کا صرف ایک ہی راستہ ہے' انگریزوں کا خاتمہ۔ انہوں نے لکھنؤ اور آگرہ کے عوام میں جہاد کی آگ بھڑکا دی۔ عظیم آباد (پٹنہ) انقلابی سرگرمیوں کا گڑھ بن چکا تھا۔ وہاں سید احمد شہید کے معتقد اور کارکن سرگرمی اور مستعدی سے سرتوڑ کوششیں کر رہے تھے اور ہزاروں روپیہ اور آدمی بھرتی کر کے اپنے جہادی مرکز یعنی صوبہ سرحد کی طرف روانہ کئے جا رہے تھے۔ ان کے قائد سید احمد کو شہید ہوئے ابھی 25 سال گزرے تھے اور ان کے مجاہدین کے سینوں میں انتقام کا جذبہ کھول رہا تھا۔ حیدر آباد دکن میں خفیہ جلسے شروع ہو گئے تھے۔ لکھنؤ میں بھی بغاوت کی خفیہ تیاریاں ہو رہی تھیں۔

کنول کا پھول:

بنگالی سپاہ کی چھاؤنی میں کنول کا ایک سرخ پھول ایک سے دوسرے سپاہی تک پہنچایا گیا' جسے ایک شخص لے کر وہاں گیا تھا۔ جب یہ پھول باری باری ہر سپاہی کے پاس پہنچ چکا تو واپس اسی شخص کے پاس آ گیا اور وہ اسے لے کر دوسری رجمنٹ میں چلا گیا۔ بنگال کی کوئی چھاؤنی اور فوجی کیمپ ایسا نہ تھا جہاں یہ پھول نہ پہنچا ہو۔ پہلے یہ پھول رجمنٹ کے ہندوستانی افسر کے پاس پہنچتا تھا اور وہ اسے اپنے قریبی سپاہی کو دے دیتا تھا۔ اسی طرح پوری رجمنٹ میں گردش کرتا ہوا اگلی رجمنٹ میں جا پہنچتا۔ مورخ ساور کر نے اپنی انگریزی تصنیف "تذکرۂ غدر" میں لکھا ہے:

"کنول کے اس سرخ پھول کی گردش نے' جو بظاہر نہایت معمولی چیز تھی اور انگریزوں کو بظاہر مذاق معلوم ہوتا ہوگا' تمام سپاہیوں کو ایک پُر اسرار پیغام دیا اور یہ پیغام اُن کو متحد کرتا چلا گیا۔"

انقلاب کی مقررہ تاریخ:

اب ضرورت صرف یہ تھی کہ اس خفیہ تحریک سے وابستہ مختلف انقلابی جماعتوں کو ایک دوسرے سے منسلک و مربوط کر دیا جائے۔ چنانچہ رابطہ اور اتحاد پیدا کرنے کے مقصد سے معتبر پیامبر روانہ کئے گئے۔ خفیہ زبان میں خفیہ خطوط لکھے گئے اور جب کچھ عرصے کے بعد ان کو انگریزوں نے پکڑنا چاہا تو ایک ایسی زبان میں لکھے گئے جو مخصوص اشارات میں مشتمل تھی اور نقطوں اور ہندسوں سے لکھی جاتی تھی اور تمام موقعوں پر استعمال کی جاتی تھی۔

چربی والے کارتوسوں کے واقعے کے بعد دو ماہ تک نواب اودھ کے نام سے پنجاب' مہاراشٹر' میرٹھ اور انبالہ وغیرہ کی رجمنٹوں کو بارک پور سے خطوط بھیجے گئے۔ مارچ 1857ء میں نانا صاحب' ان کے بھائی بالا صاحب اور عظیم اللہ خان نے مختلف مقامات کا دورہ کیا' تا کہ انقلابی تحریکوں کو تیز کیا جائے اور متحدہ بغاوت کی تاریخ مقرر ہو سکے۔ انہوں نے پہلے دہلی کی طرف رُخ کیا۔ حالات کا جائزہ لیا اور انبالے روانہ ہو گئے۔ 8 اپریل کو بغاوت کے بعد یہ رہنما لکھنؤ پہنچے۔ وہاں کے لوگوں میں ان کی آمد سے جوش و مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ اسی دن ایک مشتعل ہجوم نے چیف کمشنر ہنری لارنس کی بگھی کو گھیر لیا اور اس پر کیچڑ اور پتھر برسائے۔

ملک میں مختلف جگہوں پر ڈراموں' ناٹکوں اور گیتوں کے ذریعے بھی عوام کو غلامی کا احساس دلایا گیا۔ پردہ نشین عورتوں میں انقلاب کے جذبات پیدا کرنے کی غرض سے خانہ بدوش لڑکیاں گھروں میں بھیجی گئیں۔ ان تحریکی سرگرمیوں میں بہت سے اعلیٰ و ادنیٰ سرکاری عہدے دار بھی شریک تھے۔ مثلاً میرٹھ کے جن ججوں نے کارتوسوں کے انکار پر سپاہ کو سزا کا فیصلہ سنایا' وہ تمام انقلابی تحریک سے وابستہ تھے اور یہی جج بغاوت کی اسکیم بنا رہے تھے۔ اسی طرح بریلی میں خان بہادر خان جو جوڈیشل آفیسر تھے انقلابی جماعت کے روحِ رواں تھے۔ اس خفیہ جماعت کی طرف سے متفقہ طور پر 31 مئی 1857ء کو اچانک بغاوت برپا کرنے کی اسکیم بنائی گئی تھی۔ مسٹر ولسن' جسے بعد میں اس تحقیقات کا انچارج مقرر کیا گیا تھا' اپنی رپورٹ میں لکھتا ہے:

"تمام ملک میں بیک وقت بغاوت برپا کرنے کے لئے 31 مئی کا دن مقرر کیا گیا تھا۔ ہر رجمنٹ میں ایک تین ممبروں کی کمیٹی تھی اور یہی کمیٹی بغاوت کے بارے میں تمام کام انجام دیتی تھی۔ تمام اہم معاملات اور اسکیمیں تیار کرتی' خط و کتابت کرتی تھی۔ سب نے متفقہ طور پر 31 مئی کا دن مقرر کیا جو کہ اتوار کا دن تھا۔ کیونکہ اتوار کو انگریز افسروں کی زیادہ تعداد گرجا گھروں میں موجود ملتی' جہاں ان کا قتل عام کیا جانا طے پایا تھا۔"

انگریز اور ان کی سامراجی طاقت کے خلاف نفرت و انتقام کا جذبہ بغاوت کے لئے پک کر تیار ہو گیا تھا۔ یہ آتش فشاں اپنا لاوا اُگلنے کے لئے پوری طرح تیار ہو چکا تھا۔ اس کے لئے تاریخ بھی مقرر ہو گئی تھی 31 مئی 1857ء۔

(جاری ہے)

اصل صورت حال

گزشتہ دنوں اخبارات میں بانی تنظیم کے داماد ڈاکٹر خالد حمید ضیغم کے گھر پر پولیس کے چھاپے اور ان کے کمپیوٹر کو قبضے سے متعلق جو کچھ شائع ہوا اس نے بہت سے رفقاء و احباب کو تشویش میں مبتلا کر دیا۔ اس ضمن میں بانی تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد نے ایک اخباری بیان میں اصل صورت حال سے آگاہ کرتے ہوئے کہا:

"میرے داماد ڈاکٹر خالد حمید ضیغم کے بارے میں بعض اخبارات میں چند ایسی باتیں شائع ہو گئیں ہیں جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے ایلیٹ فورس نہ تو ڈاکٹر ضیغم کے گھر گھسی تھی' نہ ان کا کمپیوٹر قبضہ میں لیا تھا اور نہ ہی دھمکیاں دی تھیں اور نہ ہی ہراساں کرنے کی کوشش کی۔ یہ تمام باتیں خلاف واقعہ ہیں اصل واقعہ یہ ہے کہ ایلیٹ فورس کے چند افراد نے آ کر قرآن اکیڈمی کے استقبالیہ سے رابطہ کیا اور ڈاکٹر خالد ضیغم کے بارے میں دریافت کیا' وہ گھر پر موجود نہ تھے۔ اس پر یہ لوگ اپنا موبائل نمبر دے کر چلے گئے کہ جیسے ہی وہ گھر آئیں تو فون پر رابطہ کر لیں تقریباً ایک گھنٹہ بعد ڈاکٹر خالد ضیغم نے گھر واپس آ کر ان سے رابطہ کر لیا تھا ایلیٹ فورس کی طرف سے کوئی ایسی بات سامنے نہ آئی جو تشویش کا باعث ہوتی۔"

ہفت روزہ مبتدی تربیت گاہ

رفقائے تنظیم اسلامی کو اطلاع دی جاتی ہے کہ 18 تا 24 جنوری 2004ء مرکزی دفتر تنظیم اسلامی میں ہفت روزہ مبتدی تربیت گاہ کا اہتمام کیا جا رہا ہے۔ تربیت گاہ کا آغاز 18 جنوری بروز اتوار بعد نماز عصر ہوگا اور یہ 24 جنوری بروز ہفتہ نماز ظہر تک جاری رہے گی۔ وہ رفقاء جنہوں نے اب تک مبتدی تربیت گاہ میں شرکت نہیں کی وہ اس تربیت گاہ میں شرکت کا اہتمام کریں۔

مرکز تنظیم اسلامی

67۔ اے علامہ اقبال روڈ گڑھی شاہو' لاہور فون: 6366638-6316638

اقبال کے کلام میں فرعون

محمد بدیع الزماں

✿ لفظ ''فرعون'' کے معنی ہیں ''سورج دیوتا کی اولاد''۔ قدیم اہلِ مصر کا ربِ اعلیٰ سورج تھا جسے وہ رَع کہتے تھے اور فرعون اُسی کی طرف منسوب تھے۔ اہلِ مصر کے اعتقاد کی رو سے کسی فرماں روا کی حاکمیت کے لئے اس کے سوا کوئی بنیاد نہیں ہوسکتی تھی وہ وہ رع کا جسمانی مظہر اور اس کا ارضی نمائندہ ہو۔ اس لئے ہر شاہی خاندان جو مصر میں برسرِ اقتدار آتا تھا اپنے آپ کو سورج بنسی بنا کر پیش کرتا اور ہر فرماں روا جب تخت نشین ہوتا ''فرعون'' کا لقب اختیار کر کے باشندگانِ ملک کو یقین دلاتا کہ تمہارا ربِ اعلیٰ میں ہوں۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ فرعون اپنی قوم کا واحد معبود تھا اور وہاں کسی اور کی پرستش نہ ہوتی تھی۔ وہ سورج دیوتا (رع یا راع) کے اوتار کی حیثیت سے بادشاہی کا استحقاق جتاتا تھا اور یہ بات بھی مصر کی تاریخ سے ثابت ہے کہ اس قوم کے مذہب میں بہت سے دیوتاؤں اور دیویوں کی عبادت ہوتی تھی۔ اس لئے فرعون کا دعویٰ ''واحد مرکزِ پرستش'' ہونے کا نہ تھا بلکہ وہ عملاً مصر کے اور نظریئے کے اعتبار سے دراصل پوری نوعِ انسانیت کی سیاسی ربوبیت کا مدعی تھا اور یہ ماننے کے لئے تیار نہ تھا کہ اس کے اوپر کوئی دوسری ہستی فرماں روا ہو جس کا نمائندہ اسے ایک حکم دے اور اس حکم کی اطاعت کا مطالبہ اس سے کرے۔

''فرعون'' عربی زبان کا لفظ ہے جسے انگریزی میں PHARAOH کہتے ہیں۔ ان فرعونوں سے زیادہ مشہور ان کی قبور ہیں جسے ''اہرام'' کہتے ہیں۔ جو عربی زبان کا لفظ ہے اور ''ہرم'' کی جمع ہے۔ یہ اہرام ہزاروں سال بعد آج بھی مصر میں عمارتی تعمیر کی شان دار یادگار کے طور پر سیاحوں کے لئے باعث کشش ہیں۔ آکسفورڈ انسائیکلوپیڈیا کے مطابق یہ اہرام ۲۷۰۰ ق م سے بننا شروع ہوئے۔ اسی ''ہرم'' کو انگریزی میں Pyramid کہتے ہیں جو مخروطی شکل کا ہے۔

اقبال نے ''ضربِ کلیم'' کی نظم اہرام مصر میں ان شان دار عمارتوں کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے نظم کے آخری شعر میں یہ نکتہ ذہن نشین کرایا ہے کہ ہنرمند کا فرض ہے کہ وہ اپنے ہنر کو فطرت کی غلامی سے آزاد کرے یعنی اپنی ذاتی کوشش سے اپنی جدت پیدا کرکے اسے پائیداری عطا کرے کیوں کہ آرٹسٹ نخچیر (صید) نہیں ہوتا بلکہ خود صیاد ہوتا ہے اور وہ اپنے آرٹ میں اجتہادِ فکر سے رنگِ دوام پیدا کرتا ہے۔ پوری نظم یہ ہے:

اس دشت جگر تاب کی خاموش فضا میں
فطرت نے فقط ریت کے ٹیلے کئے تعمیر
اہرام کی عظمت سے نگونسار ہیں افلاک
کس ہاتھ نے کھینچی ابدیت کی یہ تصویر؟
فطرت کی غلامی سے کر آزاد ہنر کو
صیاد ہیں مردانِ ہنر مند کہ نخچیر؟

''فرعون'' کی اصطلاح سے مراد طاقت ور جتھوں کے زعم میں خدا کی زمین پر سرکشی کرنے والے کے لئے جاتے ہیں۔ اس اصطلاح سے اقبال کے کلام میں درج ذیل کل چار اشعار ہیں:

رہے ہیں اور ہیں فرعون میری گھات میں اب تک
مگر کیا غم کہ میری آستیں میں ہے ید بیضا
(بالِ جبریل غزل ا۔ دوم)

فقر جنگاہ میں بے ساز و یراق آتا ہے
ضرب کاری ہے اگر سینے میں ہے قلبِ سلیم
اس کی بڑھتی ہوئی بے باکی و بے تابی سے
تازہ ہر عہد میں ہے قصہ فرعون و کلیم
(ضربِ کلیم۔ فقر و ملوکیت)

معجزۂ اہلِ فکر فلسفۂ پیچ پیچ
معجزۂ اہلِ ذکر موسیٰ و فرعون و طور
(ضربِ کلیم' غزل' بعد از نظم فقر و راہبی)

ہو اگر قوتِ فرعون کی درپردہ مرید
قوم کے حق میں ہے لعنت وہ کلیمِ الٰہی
(ضربِ کلیم' نفسیاتِ غلامی۔ بعد از نظم سیاسی پیشوا)

متذکرہ بالا پہلے شعر کے پہلے مصرعہ کے معنوں ہی میں بانگِ درا کی نظم ارتقا کا یہ شعر ہے

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

''فرعون'' سے ترتیب دیئے گئے متذکرہ بالا پہلے شعر میں یہ اصطلاح اسلام دشمنی کے معنی میں لائی گئی ہیں جس کا مقابلہ کلیمی کے وارث یعنی مسلمان اپنے ید بیضا سے کریں گے۔ یہ وہی معجزہ ہے جسے اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا کیا تھا جس کی مدد سے انہوں نے فرعون کو شکست دی تھی۔

جیسے سورۂ بنی اسرائیل کی آیت 101 میں مذکور ہے کہ جب خدائے تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو فرعون اور اس کی قوم کے سرداروں کے پاس بھیجا تو خدا نے ان کے ساتھ اپنی نو نشانیاں بھی ساتھ دیں جن میں ایک عصا ہے اور دوسری ید بیضا ہے۔ ید بیضا کا ذکر سورۂ طٰہٰ کی آیت 22 اور سورۂ الشعراء کی آیت 32 میں وارد ہے۔ یہ ساری نشانیاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے فرعون کو دکھلائے جانے کا ذکر سورۂ الاعراف کی آیت 103 میں وارد ہے۔

''فرعون'' کی اصطلاح سے ترتیب دیئے گئے دوسرے شعر سے قبل ایک قرآنی اصطلاح ''قلب سلیم'' آئی ہے۔ یہ اصطلاح قرآن میں دو بار وارد ہے اور دونوں بار حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سلسلہ میں آئی ہے۔ ایک بار سورۂ الشعراء کی آیت 89 میں اور دوسری بار سورۂ الصّٰفّٰت کی آیت 84 میں۔ مفسرین نے اس اصطلاح کی تفسیر یہ کی ہے کہ ''قلب سلیم'' کے معنی صحیح سلامت دل کے ہیں یعنی ایسا دل جو تمام اعتقادی اور اخلاقی خرابیوں سے پاک ہو اور جس میں کفر اور شرک کا شائبہ نہ ہو' جس میں نافرمانی اور سرکشی کا کوئی جذبہ نہ پایا جاتا ہو۔

''فرعون'' سے اس دوسرے شعر میں فقر و ملوکیت کا موازنہ کیا گیا ہے اور ''فرعون'' کی اصطلاح اس معنی میں لائی گئی ہے کہ جو فریق جنگ میں بہت ساز و سامان اور لاؤ لشکر کے ساتھ اترے اور اس کے مقابلہ کو ایک ''فقیر'' جو خود میں فقر کی شان رکھتا ہے اور جس کے سینے میں ''قلب سلیم'' ہے بے ساز و سامان جنگ میں کود پڑے اور اس فقر کی وجہ کر فتح حاصل کرے۔ اقبال نے اس شعر میں اس اصطلاح سے یہ کلیہ قائم کیا ہے کہ ''تازہ ہر عہد میں ہے قصۂ فرعون و کلیم''۔ یعنی فرعون یعنی اسلام دشمن ہر زمانے میں رہے ہیں اور ہر زمانہ میں اس کا مقابلہ کلیموں یعنی خدا پرستوں نے کیا ہے جو خود میں شان فکر رکھتے ہیں۔

نوٹ: حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کلیم یا کلیم اللہ کے لقب سے نوازے جانے کے ماخذ کے لئے دیکھیں سورۂ اعراف آیت 143' سورۂ النساء آیت 164' سورۂ مریم آیت 52' سورۂ بقرہ آیت 253 اور سورۂ القصص رکوع 4۔

''فرعون'' کی اصطلاح سے ترتیب دیئے گئے

تیسرے شعر میں ''اہل فکر'' سے مراد وہ لوگ ہیں جو عقل کو رہنما سمجھتے ہیں۔ یہ لوگ جو معجزے دنیا کو دکھا سکتے ہیں وہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ دنیا کے سامنے ایسا فلسفہ پیش کرتے ہیں جو نہ تو پیچیدہ مسائل کی گرہ کشائی کرتا ہے اور نہ مشکلات زندگی ہی میں رہنمائی کرتا ہے۔ لیکن ''اہل ذکر'' جس سے مراد وہ لوگ ہیں جو عشق کو رہنما سمجھتے ہیں اور جو معجزے دنیا کو دکھا سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ ایک اللہ کے بندے یعنی حضرت موسیٰؑ نے فرعون جیسے سرکش اور صاحب سطوت بادشاہ کو شکست دے دی تھی اور کبھی طور پر خدا سے ہم کلامی کی شکل میں رونما ہوئے تھے۔

''فرعون'' سے ترتیب دیئے گئے چوتھے اور آخری شعر میں اقبال نے غلاموں کی نفسیاتی غلامی کو واضح کیا ہے کیوں کہ بدقسمتی سے اقبال نے ساری زندگی غلامی دیکھی۔ چنانچہ اس شعر میں اقبال یہ نکتہ ذہن نشین کراتے ہیں کہ اگر مصلح جو حکومت کی خوشنودی حاصل کرنے کا آرزومند ہے' الہام اور مکالمات الٰہی کا دعویٰ بھی کرے تو اس کے سبب دعاوی اور الہامات قوم کے حق میں لعنت کا سبب بن جاتے ہیں کیوں کہ اسلام اور غلامی ایک دوسرے کی ضد ہیں۔

ضرب کلیم کی نظم الہام اور آزادی میں اقبال کہتے ہیں:

ہو بندۂ آزاد اگر صاحب الہام
ہے اس کی نگہ فکر و عمل کے لئے مہمیز
اس کے نفس گرم کی تاثیر ہے ایسی
ہو جاتی ہے خاک چمنستاں شرر آمیز

پھر ارمغان حجاز کی نظم ''ملازادہ ضیغم لولابی کشمیری کا بیاض'' کے دسویں بند میں کہتے ہیں۔

ممکن نہیں محکوم ہو آزاد کا ہمدوش
وہ بندۂ افلاک ہے' یہ خواجۂ افلاک

یہ بات ذہن نشین رکھنے کی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا جو قصہ قرآن میں بیان فرمایا گیا ہے اس میں دو فرعونوں کا ذکر آتا ہے۔ ایک وہ جس کے زمانہ میں آپؑ پیدا ہوئے اور جس کے محل میں آپؑ نے پرورش پائی' جس کا بیان سورۃ القصص کے رکوع 1 اور 2 میں وارد ہے۔ دوسرا وہ جس کے پاس آپؑ' خدا کے حکم سے' اسلام کی دعوت لے کر اور بنی اسرائیل کو فرعون کے مظالم سے نجات دلانے کے لئے فرعون کے دربار میں بھیجے گئے تھے جس کا بیان سورۃ طٰہٰ کے رکوع 2 اور 3 میں وارد ہے۔ ●

قسط وار	سلسلہ ایمانیات	10

سیاسی نظام

تحریر: جناب رحمت اللہ بٹر' ناظم دعوت' تنظیم اسلامی' پاکستان

اسلام کی رو سے حاکمیت صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اور کسی انسان کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ قانون بنا سکے جو اللہ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت کے خلاف ہو اور وہ اس معاملے میں کسی کی شرکت پسند نہیں کرتا۔ سورۃ یوسف میں فرمایا: ''حکم دینے کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کا ہے''۔

''وہ اپنے اختیار میں کسی کو شریک نہیں کرتا''۔ (الکہف)
''اور اس کے اختیار میں کسی کا ساجھی پن نہیں ہے''۔

سروری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی باقی بتان آذری

دنیا میں انسانوں پر دو قسم کی حاکمیت مسلط رہی ہے اور ہے ایک بادشاہت جو خود کو ظل سبحانی کہلاتے تھے اور یورپ میں (Divine Right of Kings) اللہ کا عطا کردہ اختیار کہلاتا تھا اور اب جمہور کے نمائندے جو اصل میں سرمایہ دار' جاگیردار اور بیوروکریسی کی حاکمیت ہے جو اپنی حدود سے تجاوز اور اللہ کے حقوق میں مداخلت ہے دوسرے پیران کلیسا جو خود کو اللہ کا مقرب اور خصوصی تعلق کا حامل سمجھتے ہیں اور اس بنیاد پر لوگوں سے نذرانے وصول کرتے ہیں بقول شاعر

اللہ گدیاں دے مالک الیہ ویلو لٹیرے
میں سنیا الیہ ایجنٹ نے تیرے
تیرے ناں تے لیندے چڑھاوے سلاماں
توں دتا انہاں نوں مختار نامہ
ایہہ ہتھ نہیں ہلاندے تے بانہہ نہیں ہلاندے

اصل تقاضا یہ ہے ''حکم مانو اللہ کا اور اس کے رسول ﷺ اور اپنے حکمرانوں کا (جنہوں نے قرآن وسنت کا قانون نافذ کیا ہوا ہو) لیکن کسی حکم کے بارے میں جھگڑا ہو جائے تو فیصلہ ہوگا' قرآن اور سنت رسول ﷺ کے مطابق۔'' (النساء) مستقل حکم تو اللہ کا ہے لیکن وہ اس کے نمائندہ یعنی رسول کے ذریعہ ہوگا سورہ حجرات میں فرمایا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝﴾ (الحجرات) ''اے ایمان والو مت آگے بڑھو اس کے رسول اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔''

پاکستان کے دستور میں یہی چیز جو قرارداد مقاصد کی صورت میں طے کر دی گئی ہے اور اس کو صدقِ صد نافذ کر دی جائے تو دستوری لحاظ سے پاکستان واقعی اسلامی ریاست قرار پا جائے۔ اس سے استثنیٰ اصل میں شرک اور فسق ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حدود کے اندر رہ کر معاملات باہمی مشاورت سے طے کرنا اصل انسانی دائرہ کار ہے۔ ان کے معاملات باہمی مشورے سے طے پاتے ہیں اس کو بڑے واضح طریق پر بیان کیا ہے نبی اکرم ﷺ نے کہ مومن کی مثال تو ایک کھونٹے سے بندھے ہوئے گھوڑے کی شکل ہے وہ اس رسی کی حدود سے آگے نہیں جا سکتا جس کے ساتھ باندھا گیا ہے۔

مشاورت کا معاملہ مباح کے دائرے کے اندر اندر ہے اور اس میں خلیفۃ المسلمین بھی اسی طرح ان حدود کا پابند ہوگا جیسے عام انسان ہے۔

2۔ خلافت راشدہ سے قریب ترین نظام صدارتی نظام ہے لیکن باقی نظام بھی مباح ہیں۔

3۔ ریاست کے کامل شہری صرف مسلمان ہوں گے اور ان کے حقوق شہریت مساوی ہوں گے اور وہ اسلام کے اصول مشاورت کے مطابق ریاست کا نظام چلائیں گے۔ اسلامی ریاست چونکہ نظریاتی ریاست ہے اس لئے غیر مسلم کو قانون سازی میں رائے دینے کا حق نہ ہوگا۔

4۔ تمام شہری قانون کی نظر میں برابر ہوں گے اور کوئی شخص خواہ امیر ریاست ہو' صدر مملکت ہو یا وزیر اعظم ہو قانون سے بالاتر نہ ہوگا۔ غیر مسلموں کی حفاظت ریاست کی ذمہ داری ہوگی۔ ان کی جان' مال' آبرو کا تحفظ مسلمانوں کی طرح ہوگا۔ وہ اپنی انفرادی زندگی میں اپنے مذہب کے مطابق زندگی گزارنے یعنی عقیدہ' عبادات اور رسومات میں آزاد ہوں گے اور اپنی نسل کو اس کی تعلیم بھی دے سکیں گے لیکن اسلامی ریاست میں اس کی تبلیغ نہیں کر پائیں گے۔ حکومت کی سطح پر معاملات لازماً شوریٰ کے ذریعہ طے ہوں گے اور خلیفہ بھی شوریٰ کا پابند ہوگا۔

5۔ علاقائی' نسلی وقبائلی روایات میں سے جو شریعت اسلامی کے منافی نہ ہوں۔ انہیں پورا تحفظ حاصل رہے گا البتہ عربی زبان کو ریاست کی سرکاری زبان قرار دے کر اولین فرصت میں نافذ کیا جائے گا۔ ●

قرضوں کی معاشیات

سردار اعوان

❁ جب بجٹ کے مطابق اخراجات کے لئے رقم میسر نہیں آتی تو حکومت بنک سے قرض لیتی ہے۔ بنک قرض کی رقم میں سود شامل کر کے کل رقم کا حکومت سے بانڈ لے لیتا ہے اور اس بانڈ کی بنیاد پر نئے نوٹ جاری کرتا ہے۔ اس طرح زیر گردش نوٹوں میں مسلسل اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ اس کے برعکس ٹیکس ان میں کمی کرتے ہیں۔

کساد بازاری Depression

1۔ حکومتی بجٹ خسارہ میں ہے۔
2۔ کوشش کے باوجود ٹیکسوں سے مزید آمدنی ممکن نہیں اور ٹیکسوں کے علاوہ دوسرا کوئی ذریعہ آمدنی نہیں۔
3۔ گورنمنٹ سے سودی بانڈز ملنے پر بنک نئے نوٹ جاری کرتا ہے جس سے زیر گردش نوٹوں میں اضافہ ہوتا ہے۔ اسی طرح جب بھی کوئی شخص بنک سے قرض لیتا ہے تو اس سے زیر گردش نوٹوں میں اضافہ ہوتا ہے۔ نوٹوں میں اضافہ صرف اسی صورت میں نہیں ہوتا جب کوئی شخص اپنی خدمات یا پیداوار کا معاوضہ وصول کرتا ہے۔ ایسی صورت میں "جزوی محفوظ" Fractional Reserve کے استعمال سے نئے نوٹ پیدا نہیں کئے جا سکتے۔
4۔ قرضوں کا سلسلہ جاری رہنے سے نئے نوٹوں کا اضافہ ہوتا رہتا ہے جس سے معیشت میں "گرمی" آتی ہے، قیمتوں میں اضافہ ہوتا ہے جس کا نتیجہ افراط زر Inflation ہوتا ہے۔ افراط زر قصداً پیدا کیا جاتا ہے اور اس کے کئی دوسرے طریقے بھی ہیں۔
5۔ افراط زر کا دورانیہ عموماً ایک دہائی رکھا جاتا ہے اس دوران صنعت و حرفت خوب پھیلتی پھولتی ہے۔ بے روزگاری کا گراف نیچے آ جاتا ہے، گویا بھینس کا دودھ لینے کے لئے اسے خوب کھلایا پلایا جا رہا ہے۔
6۔ بالآخر دودھ دوہنے کا وقت آ پہنچتا ہے۔ روپیہ کی سپلائی روک دی جاتی ہے، قرضوں کی واپسی شروع ہوتی ہے۔ رہن شدہ جائیدادیں ضبط کر لی جاتی ہیں، بے روزگاری میں اضافہ ہوتا ہے۔ تیار مال کی کھپت کم ہو جاتی ہے جس سے کارخانے بند ہونے لگتے ہیں۔ مفلوک الحالی اور مایوسی جنم لیتی ہے، ملک بدحالی کا شکار ہو جاتا ہے، مگر بنک بدستور خوشحال رہتے ہیں۔
7۔ حکومت کو موردِ الزام ٹھہرا کر صورت حال پر قابو پانے کا مطالبہ کیا جاتا ہے جس کے نتیجہ میں حکومت طبقہ اشرافیہ کا سہارا لینے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ معیشت کو نئے سرے سے استوار کرنے کے لئے بنک سے قرض لینے کے سوا کوئی چارہ نظر نہیں آتا، مزید سود کی ادائیگی جس کے لئے نت نئے ٹیکس، مزید Depression۔
8۔ قرضوں کے ذریعے نئے سرے سے معیشت کی بحالی —— بھینس کو دوبارہ کھلانے پلانے کا عمل شروع ہوتا ہے، دوبارہ افراط زر۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ بنک کیوں اس سے متاثر نہیں ہوتے، یہ وہ راز ہے جس تک لوگوں کی رسائی نہیں ہو پاتی۔

دھوکہ پر مبنی اس معاشی نظام سے مال سے قطع نظر جو سب سے بڑا خسارہ واقع ہوتا ہے اس کی طرف بہت کم لوگوں کی نظر جاتی ہے، یعنی معاشرہ میں بددیانتی، لوٹ مار، طمع اور لالچ کا فروغ۔

ٹیکس

ٹیکسوں سے کون واقف نہیں ہوگا۔ حکومت جو ٹیکس لاگو کرتی ہے وہ ہر شہری کو ادا کرنا ہوتا ہے خواہ وہ اس قابل ہے یا نہیں۔ ایک عام نچلے درجے کا شہری بھی ٹیکس ادا کرتا ہے جس کے بعد بعض اوقات اس کے پاس کچھ بھی باقی نہیں بچتا۔ اگر دولت مند طبقہ دیانت داری سے ٹیکس ادا کرے تو نچلا طبقہ ٹیکس کی ادائیگی سے مستثنیٰ کیا جا سکتا ہے مگر اس صورت میں مسئلہ یہ ہوگا کہ مزید سرمایہ کاری نہیں ہو سکے گی۔ مسئلہ یہ ہے کہ عام لوگ جو کچھ کماتے ہیں وہ ٹیکسوں میں چلا جاتا ہے اور جو کچھ ٹیکسوں کے ذریعہ حکومت وصول کرتی ہے وہ عالمی جاگیردار لے جاتے ہیں۔ یہ سلسلہ یہیں نہیں رُکتا، قرضوں اور ٹیکسوں میں مسلسل اضافہ کے نتیجہ میں ایک وقت آتا ہے کہ لوگوں میں ٹیکس ادا کرنے کی سکت باقی نہیں رہتی اور معاشرہ بدنظمی اور طوائف الملوکی کا شکار ہو جاتا ہے۔

ٹیکس وصولی کے چار طریقے ہیں۔
1۔ براہ راست ٹیکس، مثلاً پراپرٹی ٹیکس، سیلز ٹیکس، انکم ٹیکس وغیرہ وغیرہ۔

بقیہ تینوں ٹیکس بلاواسطہ طور پر وصول کئے جاتے ہیں یعنی جرمانوں، وغیرہ کی شکل میں

دوسرا افراط زر کی شکل میں، جس سے لوگوں کی آمدنی اور جمع پونجی ازخود کم ہو جاتی ہے۔

تیسرا بلاواسطہ ٹیکس غیر پیداواری سرگرمیوں کی شکل میں ہوتا ہے۔ حکومت ٹیکس وصولی کے لئے عملے کی تنخواہوں اور دیگر لوازمات پر جو بے پناہ اخراجات کرتی ہے وہ ٹیکس کے زمرہ میں آتے ہیں کیونکہ بالآخر ان چاروں قسم کے ٹیکسوں کا بوجھ عوام پر پڑتا ہے۔

ٹیکس جتنے زیادہ ہوں گے اسی نسبت سے عوام کی قوت خرید میں کمی واقع ہوگی اور مال کی کھپت کم ہوگی تو روزگار کے مواقع کم ہوں گے۔

افراط زر

افراط زر کے بارے میں بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ عالمی جاگیردار آسان شرائط پر قرضوں کی فراہمی سے روپیہ پھیلا کر افراط زر پیدا کرتے ہیں، ازخود پیدا نہیں ہوتا۔ پیش نظر دولت پیدا کرنا ہوتا ہے تاکہ جب دولت پیدا ہو تو Depression لا کر اسے ہڑپ کیا جائے معاشی ماہرین طرح طرح سے افراط زر کے اسباب اور اس کا حل تلاش کرتے نظر آئیں گے مگر جو حقیقت ہے اس پر ہمیشہ پردہ ڈالنے کی کوشش کریں گے۔ لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لئے افراط زر کی مناسبت سے آئے روز اجرتوں میں اضافہ کیا جاتا ہے، مگر آج تک اجرتوں میں اضافہ لوگوں کے اطمینان اور سکون کا باعث نہیں بنا، بلکہ ہمیشہ پہلے کی نسبت زیادہ کٹھن اور پرمشقت حالات سے واسطہ پیش آتا ہے۔ اس لئے کہ:

1۔ روپیہ کے پھیلاؤ اور قیمتوں میں اضافہ کے نتیجہ میں پیداوار بڑھتی ہے۔
2۔ تیار مال اور خدمات کی اجرت اور روپیہ کی سپلائی کے درمیان توازن برقرار نہیں رہتا۔
3۔ جن لوگوں کے پاس پیسہ ہوتا ہے ان کے وارے نیارے ہوتے ہیں اس کے برعکس جن کی آمدنی محدود ہوتی ہے ان کے لئے مہنگائی کا مقابلہ کرنا دشوار ہوتا ہے۔
4۔ تنخواہ دار طبقہ تنخواہوں میں اضافہ چاہتا ہے۔

5۔ روپیہ اور املاک کی قدر میں کمی واقع ہوتی ہے' چنانچہ مزید روپیہ کی ضرورت نہیں آتی ہے۔

6۔ ٹیکس بڑھائے جاتے ہیں' لوگ ٹیکس کی ادائیگی سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن جو لوگ ٹیکس ادا کرتے ہیں انہیں مزید مشقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

7۔ قیمتوں میں اضافہ کچھ رفتہ رفتہ مستقل نوعیت اختیار کر جاتا ہے اور لوگ اسے قبول کرنے لگتے ہیں۔ اس دوران افراطِ زر کے اگلے دور کی تیاری ہو رہی ہوتی ہے اور یوں اسے معمول کی حیثیت حاصل ہو جاتی ہے۔ ایک ایسی ذہنیت جنم لیتی ہے جس میں روپیہ کی قدر کی بجائے تعداد اہم تصور کی جاتی ہے جس سے امیر اور غریب کے درمیان خلیج وسیع سے وسیع تر ہوتی چلی جاتی ہے۔

غربت کے بارے میں اکثر کہا جاتا ہے کہ اس کا اصل سبب آبادی میں روز افزوں اضافہ ہے' حالانکہ انسان کو اللہ تعالیٰ زندہ رہنے کے لئے پیدا کرتا ہے' آپ اس میں مداخلت کرتے ہیں' گویا آپ اللہ سے بڑھ کر تدبیر کرنے والے ہیں انسانوں کی پیدائش سے دنیاوی زندگی کو کسی قسم کا خطرہ لاحق نہیں' خطرہ درحقیقت انسان کے کرتوتوں سے ہے۔ انسان کی لامحدود خواہشات' طمع' حرص' لالچ' حرام کا مال اور دوسرے انسانوں کے خلاف ظلم اور جبر دنیا کے لئے خطرہ ہے۔ اس کے خلاف جہاد کریں۔ اگر انسان اس طور سے دنیا میں رہنے لگیں جس طرح اللہ تعالیٰ چاہتا ہے تو یہ دنیا جنت کا نمونہ بن سکتی ہے۔ ❁

ادارہ

طوبیٰ گرلز کالج

❁ تعلیم بلاشبہ ایک مقدس اور بامقصد دینی فریضہ ہے۔ تعلیم سے مراد صرف لکھنا پڑھنا ہی نہیں بلکہ زندگی میں اغراض و مقاصد اور فرائض کا شعور دینا ہے۔ گویا تعلیم نام ہے شعور' ذہنی افزائش اور جسمانی و اخلاقی تربیت کا۔ کیونکہ انسان کی خام صلاحیتیں' نشوونما اور ترقی کے لئے تعلیم و تربیت کی محتاج ہوتی ہیں اور اسی تعلیم کے ذریعے کسی بھی انسان میں وہ صفات پیدا کی جاسکتی ہیں جو نہ صرف اسے ایک اچھا انسان بنا سکیں بلکہ وہ ملک و قوم کے لئے بھی مفید فرد بن سکے اور ایک فرد کی تربیت نہ صرف ایک فرد کی تربیت ہے بلکہ پوری قوم کی تربیت ہوتی ہے۔ اسی طرح ایک لڑکی کی تربیت گویا پوری نسل انسانی کی تربیت ہے۔ خواتین کا ملکی تعمیر و ترقی میں کردار کسی دلیل کا محتاج نہیں۔ لہٰذا ان کی تعلیم از حد ضروری اور لازمی امر ہے۔ اب حال یہ ہے کہ بہت سے دینی ذہن رکھنے والے گھرانے مخلوط تعلیمی اداروں میں اپنی بچیوں کو بھیجنے سے کتراتے ہیں۔ وہ کسی ایسے ادارے کی تلاش میں ہیں جہاں ان کی اولاد کے لئے معیاری تعلیم کے ساتھ ساتھ پرسکون اور پاکیزہ ماحول فراہم کیا جائے اور ان کی دینی تعلیم کا بھی بندوبست ہو۔

الحمدللہ! اقتدار احمد ویلفیئر ٹرسٹ کے تحت طوبیٰ گرلز کالج کا قیام اسی چیلنج کو پورا کرنے کے لئے عمل میں لایا گیا تاکہ شعبۂ تعلیم کو منفی رجحانات سے پاک کر کے مثبت تعمیری مقاصد کے ساتھ ہم آہنگ کیا جاسکے۔ طوبیٰ گرلز کالج ایک ایسی تعلیمی درسگاہ ہے جہاں غیر تجارتی بنیادوں پر انٹرمیڈیٹ اور بی۔ اے کی سطح کی معیاری تعلیم کے ساتھ اسلامی تعلیم و تربیت اور نظریۂ پاکستان سے آگاہی کا خصوصی اہتمام کیا گیا ہے۔

دین و مذہب انسان کی بنیادی ضرورت ہے۔ انسان کے رویے پر جتنا اثر مذہبی تعلیمات کا ہوتا ہے' کسی دوسری شے کا نہیں۔ وہ مسائل جو آج ہمارے معاشرے کو دیمک کی طرح چاٹ رہے ہیں ان کا اصل سبب دینی تعلیمات سے ناآشنائی ہے۔ طوبیٰ کالج اس اعتبار سے امتیازی شان کا حامل ہے کہ یہاں اسلامی تعلیم و تربیت پر بھی گہری توجہ دی جاتی ہے۔ اس ضمن میں ایک جامع نصاب مرتب کیا گیا ہے جس میں تجوید' ناظرہ قرآن' عربی زبان کے بنیادی قواعد' قرآن کے منتخب مقامات کا ترجمہ و تفسیر اور مختلف احادیث نبویہ کا مطالعہ شامل ہے۔ مزید برآں تربیت کے حوالے سے اسلامی معاشرت اور ستر و حجاب جیسے اہم امور پر بھی توجہ دی جاتی ہے۔

ترقی کی راہوں پر رواں دواں طوبیٰ کالج کی سب سے نمایاں اور شاندار کامیابی کا منہ بولتا ثبوت موجودہ سال رواں کا نتیجہ ہے۔ بورڈ آف انٹرمیڈیٹ کے تحت سیکنڈ ایئر کے امتحانات کا نتیجہ سو فیصد رہا اور ایک بچی عفیفہ عبدالخالق نے 829 نمبر حاصل کر کے بورڈ میں چوتھی پوزیشن حاصل کی اور طوبیٰ اسعد نے پنجاب یونیورسٹی کے تحت بی۔ اے کے امتحانات میں 602 نمبر حاصل کر کے تیسرے نمبر پر رہیں۔

طوبیٰ کالج میں نصابی اور غیر نصابی سرگرمیاں عروج پر ہیں اور اسی سلسلے کی ایک کڑی طوبیٰ گرلز کالج کا دوسرا سالانہ فنکشن ہے جو کہ 27 ستمبر 2003ء کو کالج کے ہال میں منعقد کیا گیا۔ جس کی مہمانِ خصوصی ڈاکٹر جمیلہ شوکت اور غزالہ اسمٰعیل تھیں۔ فنکشن کے انعقاد کا بنیادی مقصد کالج کی ان تمام طالبات کی اعلیٰ کارکردگی پر ان کی حوصلہ افزائی کرنا تھا جنہوں نے اللہ کے خصوصی فضل و کرم کی بدولت کالج کے بلند دینی مقاصد کے حصول کے ساتھ ساتھ دنیوی امتحانات میں بھی بہترین کامیابی حاصل کی اور یہ ثابت کر دیا کہ کوشش پیہم اور یقین کامل کے ذریعے انسان بڑی سے بڑی کامیابی کا حصول بھی ممکن بنا سکتا ہے۔ تقریب کے انعقاد کا ایک اور بنیادی پہلو کالج کے قیام کے ان بلند اغراض و مقاصد کا اعادہ کرنا تھا جس کا بیڑہ اٹھایا گیا تاکہ ہم ان خطوط کی روشنی میں اپنا سفر جاری و ساری رکھ سکیں۔

تقریب کا باقاعدہ آغاز سورۃ الرحمٰن کی آیات مبارکہ کی تلاوت سے کیا گیا اور پھر نعت پڑھی گئی۔ اس کے بعد طوبیٰ کالج کی پرنسپل مسز ذکیہ راشد نے ڈائس پر آ کر تمام مہمانانِ گرامی کو خوش آمدید کہنے کے لئے ''ویلکم نوٹ'' (Wel-come note) پیش کیا۔ کالج کی ہونہار طالبات نے موجودہ تعلیمی نظام کے حوالے سے پرمغز تقاریر پیش کیں۔ تنظیم اسلامی کی نائب ناظمہ مسز امت المعطی کی پراثر گفتگو نے تقریب کی رونق کو دوبالا کر دیا۔ کالج کی چیف ایڈمنسٹریٹر امت الحی نے کالج کی سالانہ کارکردگی اور اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالی۔ فنکشن کے دوران سیکنڈ ایئر اور تھرڈ ایئر کی طالبات نے گاہے بگاہے انتہائی مؤثر اور جذبہ حب الوطنی سے لبریز نظمیں پڑھیں۔

اس کے بعد آخر کار وہ گھڑی آ گئی جس کا تمام طالبات کو شدت سے انتظار تھا۔ طوبیٰ گرلز کالج کی ایڈمنسٹریٹر امت الحی نے طالبات کی موجودہ امتحانات میں کارکردگی کی رپورٹ پیش کی اور اوّل' دوئم اور سوئم آنے والی طالبات کو سرٹیفکیٹس' انعامات اور میڈل سے نوازا گیا۔ نمایاں کامیابی حاصل کرنے والی طالبات نے باری باری اسٹیج پر آ کر اپنے جذبات اور تاثرات کا اظہار کیا نیز کالج سے دلی لگاؤ اور وابستگی بیان کی۔

رزلٹ اناؤنس کرنے کے بعد مہمانانِ گرامی ڈاکٹر جمیلہ شوکت' مسز غزالہ اسمٰعیل اور ڈاکٹر رخشندہ نے باری باری اپنے تاثرات پیش کئے۔ نیز طلبہ کی اس عمدہ کارکردگی کو سراہا اور حوصلہ افزائی کی۔

اس شاندار' پروقار اور یادگار تقریب کا اختتام بیگم ڈاکٹر اسرار احمد صاحبہ (ناظمہ تنظیم اسلامی) کے دعائیہ کلمات سے ہوا۔ (رپورٹ: عظمیٰ خالد) ❁

تنظیم اسلامی کا پیغام
نظام خلافت کا قیام

کلامِ الٰہی: زندہ معجزہ

محمد فہیم

قرآن مجید کیا ہے؟ یہ ایک ایسی کتاب ہے جو کسی انسان کی نہیں بلکہ اس بزرگ و برتر ہستی کی تصنیف ہے جو مالک ہے کل کائنات کا' بلاشرکت غیرے اور نہیں ہو سکا جس کے اذن کے بغیر ایک ذرّہ بھی ادھر سے ادھر' جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ جس کے بارے میں خود قرآن کا فرمان ہے: ''جتنے ذی روح زمین پر موجود ہیں سب فنا ہو جائیں گے اور صرف آپ کے پروردگار کی ذات جو عظمت والی اور احسان والی ہے' باقی رہ جائے گی'' (سورۃ الرحمٰن: 26,27) یہ کسی فانی انسان کی تحریر کردہ کتاب نہیں' یہ زمین و آسمان اور ان میں موجود ہر شے کے خالق و مالک رب عظیم کی کتاب ہے اور اس کتاب کی عظمت کے بارے میں سورۃ المزمل میں خود مالک عرش و فرش کا فرمان ہے ''یہ وہ قول ثقیل ہے جس کے متحمل زمین و آسمان نہ ہو سکے'' (سورۃ المزمل: 5) اور اگر یہ قول ثقیل فلک بوس پہاڑوں پر نازل کیا جاتا تو وہ ریزہ ریزہ ہو جاتے۔'' (سورۃ الحشر: 21)

صرف ایک متبرک کتاب ہی نہیں بلکہ رہتی دنیا کے انسانوں کے لئے سرچشمہ رہنمائی و ہدایت ہے۔ یہ تمام انسانوں کے لئے ایک ایسا ضابطہ حیات پیش کرتا ہے' جس پر عمل کر کے انسان دنیا میں کامیابی اور آخرت میں فلاح حاصل کر سکتا ہے۔ اتنی پُرعظمت کتاب ہونے کے ساتھ یہ اس کا اعجاز ہے کہ اس کا ہر لفظ شیریں اور مسحور کن ہے جسے اگر سنجیدگی کے ساتھ سنا جائے تو آنکھیں نم ہو جاتی ہیں' ایمان بڑھ جاتا ہے اور دل و دماغ مسخر ہو جاتے ہیں۔ اس بارے میں سورۃ الاعراف آیت 204 میں فرمان خداوندی ہے: ''جب قرآن پڑھا جائے تو خاموش ہو کر سنو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔''

یہ وہ واحد کتاب ہے جس پر عمل کرنا تو دنیا و آخرت کی فلاح اور کامیابی ہے ہی لیکن پڑھنا' یہاں تک کہ سننا بھی باعث خیر و برکت اور موجب ثواب ہے۔

قرآن حکیم کی تعلیمات کا بنیادی نچوڑ یہ ہے:

☆ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی تمام مخلوقات کی خالق و رب ہے۔

☆ انسان کو دنیا میں زندگی اسی طرز پر گزارنی چاہیے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔

☆ اس دنیاوی زندگی میں کئے گئے اعمال کی بنیاد پر ہی آخرت میں ہمارے مقام کا فیصلہ ہوگا۔

☆ دنیا اور اس کے لذائذ و فوائد صرف چند روزہ ہیں یعنی یہ دنیا صرف چند روز قیام کی جگہ ہے۔ آخرت ہی دارالقرار ہے۔ جہاں انسان کا ابدی قیام ہوگا اور وہاں موت نہیں ہے۔

مختصراً ہم قرآن پاک کی تقسیم اس طرح کر سکتے ہیں:

☆ اس کتاب مقدس کے پہلے 10 پاروں میں انسان کو زندگی میں کامیابی کے معاشی و معاشرتی اصولوں کی تعلیم دی گئی ہے۔

☆ درمیانی 10 پاروں میں سابقہ قوموں کے عروج و زوال' ان کی جانب بھیجے گئے رسولوں کی تعلیمات اور ان سے روگردانی کے باعث ان قوموں پر نزول عذاب الٰہی کے عبرت آموز حالات کا بیان ہے۔

☆ اور آخری 10 پاروں میں رموز فطرت اور انسانوں کی اگلی اور ابدی زندگی کے لئے اس کے اعمال کے مطابق جزا و سزا' دنیاوی اعمال کی درستگی کے لئے ہدایات اور خلاف ورزی کی صورت میں دنیا میں اس کے عبرت ناک انجام اور مقام آخرت کی نشاندہی کی گئی ہے۔

اس طرح ان تینوں حصوں میں دین کی تکمیل کر دی گئی ہے جس کا اعلان خداوندی سورۃ المائدہ آیت 3 میں یوں کیا گیا ہے: ''آج ہم نے تمہارے دین کو تمہارے لئے کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت کو تمام کر دیا۔''

مقام فکر ہے کہ اس واضح اعلان خداوندی کے بعد اگر ہم یہ کہیں کہ ''اسلام ہمارا دین اور سوشلزم ہماری معیشت'' تو کیا ہم قرآن کے قول سے انحراف کے مرتکب نہیں ہو رہے؟'' قرآن کریم کا ایک اور اعجاز یہ ہے کہ دنیا بھر میں نظم یا نثر کی کوئی ایسی جدید یا قدیم کتاب نہیں ملتی جس کے کچھ محاورے' اصطلاحات یا الفاظ یا تو متروک ہو گئے ہوں یا پھر ان میں فرسودگی پیدا نہ ہو گئی ہو' لیکن قرآن مکرم وہ واحد کتاب مقدس ہے جس کا ایک لفظ بھی چودہ سو سال گزر جانے کے باوجود متروک نہیں ہوا اور آج بھی اس کا ہر لفظ لغت' الفاظ' طرز بیان اور معنی و مفہوم ہر اعتبار سے اسی طرح تر و تازہ ہے جیسے کہ نزول کے وقت تھا لیکن افسوس کہ ہم مسلمانوں نے اسے علم و آگہی اور ذریعہ' ہدایت و نجات سمجھنے کے بجائے قسمیں کھانے اور فال نکالنے کا ذریعہ سمجھ لیا ہے۔

ہم اپنی اس چند روزہ زندگی کو بہتر سے بہتر بنانے کے لئے دن رات اندوختہ جمع کرتے رہتے ہیں اور اکثر اوقات اس کے لئے جائز و ناجائز کا خیال بھی ہمارے ذہنوں سے محو ہو جاتا ہے کیونکہ یہی کہا جاتا ہے کہ ہم بہتر کل کے لئے آج شدید مشقت کر رہے ہیں جب کہ ہم میں سے ہر ایک کو یہ بات بخوبی معلوم ہے کہ یہ فانی دنیا ہے اور ہر شے کو فنا ہو جانا ہے تو پھر کیوں نہ ہم اس جہاد کے لئے بھی آج ہی سے اندوختہ پس انداز کرنا شروع کر دیں۔ یہ پس اندازی طرح ہو؟ اس کے لئے قرآن خود ہماری راہنمائی کر رہا ہے۔

''تم لوگ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ اور جس مال میں تم کو اس نے قائم مقام مقرر کیا ہے اس میں سے خرچ کرو' سو جو لوگ تم میں سے ایمان لے آئیں اور خرچ کریں' ان کے لئے بڑا اجر ہے۔'' (سورۃ الحدید: آیت 7) ''جتنا (قرآن) آسانی سے ہو سکے پڑھ لیا کرو اور نماز پڑھتے رہو' زکوٰۃ ادا کرتے رہو' اور خدا کو (خلوص نیت سے) قرض دیتے رہو اور جو نیک عمل تم اپنے لئے آگے بھیجو' اس کو خدا کے یہاں بہتر اور صلے میں بزرگ تر پاؤ گے خدا سے بخشش مانگتے رہو' بے شک خدا بخشنے والا اور بڑا مہربان ہے۔'' (المزمل آیت 20)

ہر طرح کے علم کا حصول بہت ضروری اور اہم ہے۔ جب تک ہم اللہ کی تخلیقات کا علم حاصل نہیں کرتے' اس کے نظم و ضبط اور منصوبہ بندی کی عظمت کو پہچان نہیں سکتے اور نہ ہی قرآن کے مفہوم کو اصلاً سمجھ سکتے ہیں۔ قرآنی و سائنسی تعلیمات ایک دوسرے سے متصادم نہیں بلکہ ساتھ ساتھ چلتی ہیں۔ اگر ہم قرآن پاک کو سمجھ کر پڑھنا شروع کر دیں تو ہمیں علم ہوگا کہ قرآن میں سائنسی علوم پر بحث بھی ہے۔ باری تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ہم نے جاندار مخلوق کو جوڑوں میں بنایا' انسان میں مرد و عورت اور دیگر جانداروں میں نر و مادہ۔

فرمان خداوندی ہے: ''ہمیں اس کائنات کے ذرے ذرے کا علم ہے بلکہ ذرے سے چھوٹے ٹکڑوں کا

بھی شعور ہے۔'' جان لیجئے کہ قرآن پاک میں اللہ کے اپنے حقوق کے بارے میں کل 193 آیات ہیں۔ بندوں کے حقوق سے متعلق 673 جب کہ کائنات سے متعلق سائنسی علوم پر کل 750 آیات موجود ہیں۔ جن میں ہمیں ہدایت کی گئی ہے:

☆ آسمان اور زمین کی پیدائش پر غور وفکر کرو۔

☆ سورج، چاند اور ستاروں کی پیدائش کی حکمتوں پر غور کرو۔

☆ دن اور رات کس طرح آتے ہیں، یہ کہکشاں کس طرح بیکراں خلاء میں موجود گردش کر رہی ہے کیوں ایک دوسرے کو نہیں پکڑتے۔ غور وفکر کرو۔

☆ پانی، آگ اور ہوا کی حکمتوں پر غور کرو۔

☆ انسان، پرندوں اور چوپالوں کی پیدائش پر غور وفکر کی دعوت دی جا رہی ہے۔

☆ شہد کی مکھی، مچھلی اور نباتات کی پیدائش کی حکمتوں کو بیان فرمایا گیا۔

یہ ہماری بدنصیبی ہے کہ ہم قرآن کے ان حصوں کو اہمیت نہیں دیتے جو کہ عقل و دانش اور سائنسی علوم کے حصول کے بارے میں ہیں جبکہ کفار، یہود ونصاریٰ ایسے ہی غور وفکر کے بعد اب دنیا سے نکل کر چاند اور ستاروں پر کمندیں ڈال رہے ہیں اور ہم ــــ

تخلیق کائنات کے بارے میں قرآن کا بیان ہے

''آسمان اور زمین میں پہلے دھواں ہی دھواں تھے، آپس میں جڑے ہوئے تھے، ہم نے ان کو جدا کرنے کے لئے ایک دھماکہ کیا۔ وہ اتنا زوردار دھماکہ تھا کہ اس کی طاقت آج بھی ختم نہیں ہوئی، آج بھی وہ زمینوں اور خلاء کو دھکیلے جا رہا ہے، فضا پھیل رہی ہے، ستارے آسمان میں بغیر کسی سہارے کے معلق ہیں، تیر رہے ہیں اور آسمان ستونوں کے بغیر قائم ہے۔''

اس پر غور وفکر کرنے کی ہدایات بار بار کی جاتی ہیں۔

آج صدیوں بعد سائنس بھی ہمیں یہی بتا رہی ہے کہ ابتدا میں دھواں ہی دھواں تھا، پھر ایک زوردار دھماکہ ہوا اس دھماکے کی قوت ابھی تک جاری وساری ہے یعنی سائنس آج صدیوں کی تحقیق کے بعد جس نتیجے پر پہنچی ہے، وہ قرآن پاک ہمیں چودہ سو سال پہلے ہی بتا چکا تھا۔

قرآن کے ہم مسلمانوں پر درج ذیل 5 حقوق واجب ہیں:

1) ایمان وتعظیم 2) تلاوت وترتیل 3) حکم واقامت 4) تذکیر وتدبر اور 5) تبلیغ۔

(1) قرآن پر ایمان وتعظیم کا مطلب ہے کہ ہم اپنے دلوں میں یہ پختہ یقین رکھیں کہ یہ کلام اللہ ہے اور اس کی جانب سے ہماری ہدایت کے لئے نازل کیا گیا ہے اور ہم قرآن کی حلال کردہ چیزوں کو بلاحیل و حجت حلال اور حرام کردہ چیزوں کو حرام تسلیم کر لیں، چاہے ہماری عقل اس کو تسلیم کرتی ہو یا نہیں۔ جیسے شرک محاکم الی الطاغوت، سود، رشوت اور خیانت وغیرہ۔

(2) قرآن پاک کی تلاوت سادہ اور فطری طریقے پر کی جائے جیسے کہ ایک عرب پڑھتا ہے اور غنائیہ انداز میں اس کی تلاوت نہ کی جائے۔

(3) قرآن پاک کا تیسرا حق ہم مسلمانوں پر یہ ہے کہ تذکر اور تدبر یعنی اس کو سوچ سمجھ کر پڑھا جائے اور مفہوم وتدبر سے کام لیا جائے۔ اس سے ہدایت و رہنمائی حاصل کی جائے، اسی طرح نزول قرآن کا مقصد پورا ہو سکتا ہے۔

(4) حکم واقامت ہم پر قرآن پاک کا چوتھا حق ہے، یعنی قرآن حکیم کے ذریعے جو احکامات ہم تک پہنچے ہیں، ان کو قائم کرنے کے لئے مسلسل جدوجہد اور سعی کرتے رہیں اور ہم اپنے شب وروز اس مقصد کے لئے وقف کر دیں۔

(5) قرآن پاک کی تبلیغ ہم مسلمانوں کا پانچواں حق ہے یعنی ہم میں سے ہر ایک کا فرض ہے کہ اس کتاب ہدایت ونور کے احکامات دوسروں تک پہنچا دیں اور حتی الامکان کوشش کی جائے کہ زیادہ سے زیادہ لوگوں تک یہ بات پہنچ جائے کہ قرآن کریم مسلمانوں سے کن کن چیزوں کا مطالبہ کرتا ہے، کن امور کو بجا لانے کی ہدایت اور کن چیزوں کی ممانعت کرتا ہے۔ جو شخص صاحب قلم ہے، وہ اپنی تحریروں سے جو بولنے کی طاقت رکھتا ہے، اپنی زبان کے ذریعے، جو اشاعت کی قوت رکھتا ہے وہ ایسی تحریریں شائع کرے جن سے قرآنی تعلیمات عام ہوں اور جس کو اللہ نے مال و دولت سے نوازا ہے وہ ایسے اصحاب کی مدد سے جو لکھ تو سکتے ہیں لیکن اس کی اشاعت کی استطاعت نہیں رکھتے، وہ ایسے لوگوں کی تحریروں کی اشاعت کا بندوبست کر کے اپنی اس فرض یعنی تبلیغ دین وقرآن سے عہد برآ ہونے کی کوشش کرے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن کی تلاوت اس پر فکر و تدبر اور اس کی اشاعت میں اپنا حصہ ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین) ●

نقطۂ نظر

چاند کا مسئلہ

لطف الرحمن خان

❀ فاؤنڈیشن کے چند طلبا نے مجھ سے اپنے اس ''حق'' کا مطالبہ کیا ہے کہ ان کی راہنمائی کی جائے کہ اس مسئلہ میں صحیح نقطہ نظر کیا ہے۔ ان میں سے ایک طالبعلم کا کہنا ہے کہ اس بنیاد پر اب کچھ لوگوں نے اسلام میں عبادات کے نظام پر اعتراض کرنا شروع کر دیا ہے اور ہم سے ان کا جواب نہیں پڑتا۔ ان کا حق ادا کرنے کے لئے میں اپنا نکتہ نظر تحریر کر رہا ہوں۔ لیکن طلباء کے ذہن میں یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں رہنی چاہئے کہ یہ کوئی فتویٰ نہیں بلکہ محض ایک نکتہ نظر ہے، ایک رائے ہے اس کے صحیح یا غلط ہونے کا فیصلہ کرنے کی ذمہ داری ہر فرد کی اپنی اپنی ہے اور ہر فرد کو اختیار حاصل ہے کہ وہ چاہے تو اس کو قبول کر لے اور چاہے تو رد کر دے۔ اسلام کا جائزہ کورس کا پہلا سبق یہی ہے۔

میرے خیال میں اس سارے فساد کی جڑ ہماری یہ نفسانی خواہش ہے کہ پورے ملک میں عید ایک ہی دن ہو۔ ہمارے کچھ مسلمان بھائی ایسے ہیں جن کو روزوں سے کوئی غرض نہیں ہوتی۔ ان کو عید کا اس لئے شدت سے انتظار ہوتا ہے کہ پورے معاشرے پر رمضان کی جو ایک فضا طاری ہوتی ہے، اس مضیبت سے ان کی جان چھوٹے۔ جبکہ کچھ بھائی ایسے ہیں جو محض بھوک پیاس کا روزہ رکھ کر افطار پارٹیاں (Enjoy) کرتے ہیں اور عید کا انتظار کرتے ہیں۔ ان لوگوں کے لئے عید کی نماز بھی محض ایک رسم ہے۔ ان کی اصل دلچسپی عید کے رونق میلے سے ہوتی ہے۔ ایسے لوگوں کا یہ مسئلہ ہے کہ عید ایک ہی دن ہو، کیونکہ دو عیدیں ہونے کی وجہ سے ان کا سارا مزا کرکرا ہو جاتا ہے۔ جو مسلمان اللہ کی رضا کے لئے اور ہمیشگی کی زندگی میں اپنے مقام اور رتبے کی فکر میں روزے رکھتے ہیں ان کا اصل مسئلہ یہ ہے کہ روزوں میں انہیں زیادہ سے زیادہ عبادات اور نیکیوں کی توفیق نصیب ہو۔ ان کے لئے یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے کہ روزہ کس دن شروع ہو اور عید کب ہو۔ ان کی تو خواہش یہ ہوتی ہے کہ سارا سال رمضان ہی رہے۔

گزشتہ کئی برسوں سے صوبہ سرحد میں دو عیدیں ہوتی رہی ہیں۔ رونق میلہ کے عاشق اس پر اعتراضات کر کے ذہنوں میں الجھنیں پیدا کرتے رہے ہیں اور عام مسلمان اس سے متاثر بھی ہوتے رہے ہیں۔ لیکن بدقسمتی سے اس

سال متحدہ مجلس عمل ان کے (TRAP) میں آ گئی اور انہوں نے اس مسئلہ کو صوبہ سرحد سے نکال کر پورے ملک میں پھیلا دیا۔ پھر المیہ یہ ہوا کہ اس مقصد کے لئے انہوں نے ملکی عصبیت کو آواز دی۔ اس طرح انہوں نے خود اپنی جڑ پر کلہاڑی رکھ دی۔ پھر کہتے ہیں کہ ان میں پھوٹ ڈالنے کے لئے حکومت سازش کر رہی ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اس پس منظر میں یہ صرف طلباء کا حق ہی نہیں بلکہ وقت کا تقاضا بھی ہے کہ سارے معاملہ کا بنظر غائر تجزیہ کر کے روزوں اور عید کی اصل روح تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔

ہم سب لوگ جانتے ہیں کہ پورے عالم اسلام میں ایک ہی دن عید نہیں ہوتی۔ کبھی ایک دن اور کبھی دو دن کا فرق ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ چاند کی منزلیں ہیں، جس کی وجہ سے کسی علاقے میں وہ پہلے نظر آتا ہے اور کسی علاقے میں ایک یا دو دن کے بعد۔ اس علم کی وجہ سے نہ تو ذہن میں کوئی الجھن پیدا ہوتی ہے اور نہ ہی کسی کو کوئی اعتراض ہوتا ہے۔ اسی طرح کبھی چاند کی پوزیشن ایسی ہو سکتی ہے کہ وہ لنڈی کوتل اور پشاور میں بھی نظر آئے اور سیالکوٹ میں بھی۔ لیکن کبھی ایسی پوزیشن بھی ممکن ہے کہ وہ لنڈی کوتل اور پشاور میں تو نظر آئے لیکن لاہور اور سیالکوٹ میں نظر نہ آئے۔ اس لئے پورے ملک میں ایک ہی دن عید منانے کی ضد کرنا چاند دیکھ کر عید کرنے کے حکم کی خلاف ورزی ہے اور خواہش نفس کی پیروی۔ صحیح طرز عمل یہ ہوگا کہ جغرافیائی Longitudes کے حساب سے ملک کو مختلف حلقوں (Zones) میں تقسیم کر دیا جائے۔ کسی ایک زون میں چاند نظر آنے کا مطلب یہ ہوگا کہ اس زون کے تمام علاقوں میں چاند ہو گیا لیکن اس کا اطلاق دوسرے زون پر نہیں ہوگا جب تک وہاں بھی چاند نظر نہ آئے۔

چاند کی تاریخوں میں فرق پر اعتراض کرنے والے سب سے زیادہ الجھن اس حوالے سے پیدا کرتے ہیں پھر طاق راتوں اور شب قدر کا کیا بنے گا اور ہم لوگ کان ٹٹولے بغیر کوے کے پیچھے بھاگ لیتے ہیں اور اس مصنوعی الجھن میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ ہم جانتے ہیں کہ پوری دنیا میں متبرک راتیں یکساں نہیں ہوتیں اور ہر علاقے کی اپنی اپنی راتیں ہیں۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ کسی علاقے میں اگر چاند دیکھنے میں غلطی ہو جائے تو اس علاقے کی متبرک راتیں اسی حساب سے ہوں گی جس دن سے انہوں نے روزہ رکھنا شروع کیا ہے۔ مجھے یاد ہے کہ 1984ء میں پاکستان اور سعودی عرب میں ایک ہی دن یعنی یکم جون سے روزوں کا آغاز ہوا تھا کیونکہ سعودیہ میں ایک دن پہلے چاند دیکھا نہیں جا سکا، حالانکہ چاند ہو گیا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہاں 28 رمضان کو عید کا چاند نظر آ گیا اور 29 کو عید ہوئی۔ لوگوں کو ہدایت کی گئی کہ وہ ایک روزہ قضا رکھ لیں لیکن اس میں طاق راتوں کا کوئی ذکر نہیں تھا۔ مکہ میں میرے پاکستانی میزبان عربی جانتے تھے۔ ان سے میں نے کہا کہ وہ عربوں سے معلوم کریں کہ اب طاق راتوں کے متعلق ان کی کیا رائے ہے۔ انہوں نے یہ بتایا کہ یہ لوگ اس کے قائل ہیں کہ جن راتوں کو وہ طاق سمجھ کر جاگے ہیں، ان کے لئے وہی طاق راتیں تھیں۔ یہ وہ حقیقت ہے جس کی جانب قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اس طرح رہنمائی فرمائی ہے کہ تمہاری قربانی کے جانوروں کا گوشت اور خون اللہ کو نہیں پہنچتا بلکہ تمہارا تقویٰ اللہ کو پہنچتا ہے۔ اس اصول کی مزید وضاحت رسول اللہ ﷺ نے اس طرح کی ہے کہ اللہ تمہارے عمل کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمہارے دل کو دیکھتا ہے، قرآن وحدیث کی اس رہنمائی کی موجودگی میں مذکورہ مصنوعی الجھن میں مبتلا ہونے پر میں تو انگشت بدنداں ہوں۔ ناطقہ سر بگریباں ہے، اسے کیا کہیے۔

چاند کے مسئلے کا ایک پہلو اور ہے۔ ایک رائے یہ ہے کہ چاند کا فیصلہ کرنے کے لئے چاند دیکھنا ضروری ہے، کیونکہ احادیث میں اس کی ہدایت موجود ہے۔ دوسری رائے یہ ہے کہ فلکیات کا علم اب اتنا ترقی کر گیا ہے کہ چاند کی منزلوں کے اعداد وشمار (DATA) کی مدد سے ہم چاند ہونے یا نہ ہونے کا صحیح فیصلہ کر سکتے ہیں، اس لئے رویت ہلال کمیٹی کی اب ضرورت نہیں ہے۔ اس مسئلہ کے حل کے لئے ایک واقعہ میں ہمارے لئے رہنمائی موجود ہے۔ واقعہ بہت مشہور ہے۔ لیکن اس کو دہرانا ضروری ہے کہ شاید کچھ طلبا کو اس کا پورا علم نہ ہو۔

جنگ خندق کے بعد بنو قریظہ کی طرف جاتے ہوئے صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت کو راستے میں عصر کا وقت ہو گیا۔ اب راستے میں عصر پڑھنے یا نہ پڑھنے کے مسئلہ میں صحابہؓ میں اختلاف رائے ہو گیا۔ ایک گروہ کا کہنا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کا حکم ہے کہ عصر بنو قریظہ پہنچ کر پڑھنی ہے۔ اس لئے ہم وہیں پڑھیں گے۔ چاہے نماز قضا ہو جائے۔ دوسرے گروہ کی رائے تھی کہ اس حکم سے رسول اللہ ﷺ کی مراد یہ تھی کہ ہم روانہ ہونے میں جلدی کریں۔ اس پر ہم عمل کر چکے، اس لئے اب راستے میں عصر پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ چنانچہ پہلے گروہ نے بنو قریظہ پہنچ کر عصر پڑھی جبکہ دوسرے گروہ نے راستے میں پڑھ لی۔ مدینہ واپس آ کر جب یہ معاملہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش ہوا آپؐ نے فرمایا کہ دونوں نے ٹھیک کیا۔ اب اگر کسی کے دل میں یہ شیطانی وسوسہ آتا ہے کہ فیصلہ کرنے میں آپؐ نے نعوذ باللہ امانت ودیانت کو ترک کر کے ڈپلومیسی سے کام لیا، تو وہ اپنے ایمان کی خیر منائے۔ اللہ کے رسول کا یہ مقام نہیں ہے کہ کوئی فریق غلط ہو اور وہ اسے غلط قرار نہ دیں۔ حقیقت یہ ہے کہ دونوں فریقوں نے حقیقتاً ٹھیک کیا تھا اور اس کی بنیاد یہ ہے کہ دونوں کی نیت اطاعت رسول کی تھی۔

اس حوالہ سے اب یہ بات سمجھ لیں کہ ایک فریق اگر چاند دیکھنے والی احادیث کے الفاظ پر عمل کرنا چاہتا ہے تو اس کا فیصلہ درست ہے۔ دوسرا گروہ اگر ان احادیث کی مراد پر عمل کرنا چاہتا ہے کہ چاند کے متعلق صحیح علم حاصل کر کے فیصلہ کرو اور اس مقصد کے لئے وہ چاند کی منزلوں کے اعداد وشمار کو بنیاد بناتا ہے تو اس کا فیصلہ بھی درست ہے۔ ان میں سے کسی بھی فریق کو غلط کہنا غلط ہے۔ واضح رہے کہ اس طرز عمل کے نتیجے میں ایک ہی شہر میں دو عیدیں ہونے کا امکان موجود ہے۔ اس پر کسی کو سر منڈانے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ یہ رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ ہے اور اگر کوئی آپؐ کے فیصلے پر اپنے دل میں تنگی محسوس کرتا ہے تو وہ بھی اپنے ایمان کی خیر منائے۔

اب آخری بات یہ ہے کہ اسلام کا جائزہ کورس میں "اختلاف میں رحمت ہے" نامی ایک کتابچہ بھی شامل ہے۔ یہ 1997ء یا 1998ء کی تحریر ہے۔ اس میں ہم نے کہا تھا کہ اس امت میں اگر کبھی اتحاد ہوا تو وہ اختلافات ختم ہونے کے نتیجے میں نہیں بلکہ اختلافات گوارا کرنے کے نتیجے میں ہوگا اور اب ہمیں اس بات کی سند بھی مل گئی ہے۔ متحدہ مجلس عمل اس لئے قائم نہیں ہوئی کہ دینی جماعتوں کے اختلافات ختم ہو گئے ہیں یہ اس وقت قائم ہوئی ہے جب انہوں نے اختلافات گوارا کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اختلاف ہونا ایک بالکل فطری امر ہے۔ اس لئے اختلافات کو ختم کرنے کی خواہش غیر فطری ہے۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے کوئی چاہے کہ اس کے آنگن میں چاند اتر آئے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ دین کے فروعی معاملات میں ہم اختلافات کو گوارہ کرنے کا طرز عمل اختیار کریں اور ان کو دین کا بنیادی مسئلہ نہ بنائیں، اور نہ ہی ایسے معاملات میں داروغہ بننے کی کوشش کریں۔ چاند 29 کا تھا یا 30 کا، روزہ دس منٹ پہلے افطار کرنا ہے یا بعد میں، یہ اور اس قبیل کی دوسری باتیں دین کا بنیادی مسئلہ نہیں ہیں۔ دین کا بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ روزہ رکھا جائے اور اس طرح رکھا جائے جیسا کہ روزہ رکھنے کا حق ہے۔

سابقہ اور موجودہ
مسلمان امتوں کا ماضی، حال اور مستقبل
اور مسلمانانِ پاکستان کی خصوصی ذمہ داری
اشاعت خاص 45 روپے

But Islamic State promotes the material as well as the spiritual advancement of the people.

As for the responsibility of establishing the *Deen*, "Islamic State seeks to mould every aspect of life and activity in consonance with its moral norms and program of social reform. In such a state no one can regard any field of his affairs as personal and private."

It is important to note that this concept does not make Islamic State an authoritarian or fascist regime, because "despite its all-inclusiveness, it [Islamic State] is something vastly and basically different from the modern totalitarian and authoritarian states." The misconception of unaccountability of the ruler under an Islamic system is a reality in the US today. It is known as the separation of powers that refers to the fact that the Framers scattered each type of national power (legislative, judicial, and executive) among the various branches of the US government. For example, the US President has the legislative power of the veto (Article I, Section 7), the Senate has the executive power of confirming certain appointments made by the President (Article II, Section 2), and the Congress and President are checked by judicial review (Article III, Section 2).

Apparently, the separation of powers under the US concept of state accomplishes several things. First, we see that it is a continuation of checks. Some of the checks are upon the other branches as well. Nevertheless, one reason for this is that the Framers, as elites within the private economy, sought mainly to protect their individual freedom as property owners from state intrusion. Therefore, they checked the legislative branch as well as the other branches through the separation of powers to ensure protection from a "misguided" executive (which very well could be an executive responding to the demands of the people).

The point is that as the national government was purposely made inefficient, it would leave private power or the power of business or corporate elites untouched. As Charles Beard points out, "None of the powers conferred by the Constitution on Congress permits a direct attack on property." Thus Madison argued in *Federalist No. 51*, "The constant aim is to divide and arrange the several offices in such a manner as that each may be a check on the other - that the private interest of every individual may be a sentinel over the public rights." According to Jerry Fresia: "The check upon the executive branch by the legislative branch is not like the check by the other branches upon the legislative. It is not distrust or an indictment of the virtue and wisdom of a class of poor people. It is a simple distrust of the government or public power and a belief that private or what we today would call corporate power or business is virtuous. Clearly, fear of the ability of common people to work their way through the legislature was far greater than the potential tyranny of the President."

To the contrary, under an Islamic form of governance it is the right of the common people to censure the head of the State and all other officials. It is an important function of the *Shura* to ensure that the ruler conforms to the Qur'an and Sunnah. The nation must remain conscious that it has to obey its creator, not the whims and fancies of men in top positions. The essential dictum being that there is "no loyalty unto the created which involves disloyalty unto the Creator". (Bukhari)

It is natural to think that divine sovereignty and the necessity of obedience to the Prophet leaves no room for freedom and human legislation in an Islamic State. In fact, Islam "does not totally exclude human legislation. It only limits its scope and guides it on right lines."

In an Islamic State, a priestly class exercising unchecked domination and enforcing laws of its own making in the name of God is satanic rather than Divine. The government built up by Islam "is not ruled by any particular religious class but by the whole community of Muslims including the rank and file. The entire Muslim population runs the state in accordance with the Book of God and the practice of His Prophet."

The *New York Times* (Nov 14, 2003) was happy to see that there is no reference to *Shari'ah* in the new Afghan constitution. We must remember that Muslim governments were de-Islamised in the past, when Muslims were deprived of the *Shari'ah* under colonial rule. As a result, Muslims were exposed to absolutism for the first time because the Shari'ah provided limitation on government. That is why in Islamic history, despite deviations from the basic principles and transformation into monarchies, one does not find as much oppressive governments as we witness today under the "democracy" of Musharraf and Mubarak. The reason was that the governments were restricted by shariah then and the judiciary was powerful enough to evoke the Shari'ah directly when needed.

The post-independence governments became too absolute. Even the so-called democracies have actually become democracy of the elite or the junta in service of the powers that keep them alive. Just like the democracy of the French Revolution, these are democracies of certain class, who discuss and make decisions themselves. Although there are formal elections, the people are not represented nor do they ruler in any sense. Survival of regimes is linked to the services they provide to their masters in Washington and London.

A state based on the principles of Islam can never be a threat to non-Muslims or interests of non-Islamic states. Islam persistently demands its followers to observe the principles of morality at all cost in all walks of life and the administration at the top is not exempt. Hence, it lays down an unalterable policy for the State to base its politics on justice, truth, and honesty. It is not prepared, under any circumstances whatsoever, to tolerate fraud, falsehood and injustice for the sake of any political, administrative or national expediency as we witness in the words and deeds of the most "established" democracies of the world. Instead of wasting innocent lives on both sides of the divide and instead of wasting trillions of dollars of the tax-payers money, this is the time to let Muslims to self-rule. This is the only answer to avoiding further bloodshed and continued chaos and destruction. In a situation in which victims neither have power nor a clear idea, the next big question is from where to begin. The first step in this regards is ceasing external support to illegitimate rulers and other opportunists — both at Mulla and moderate extreme — who fool the West in the first place.

This also is not possible untill the seemingly empowered Western public gets aware and use their real empowerment to help the rest of the humanity begin a genuine process towards their self rule — rather than inciting a war within and imposing wars from outside to no avail in the final analysis.

*** Abid Ullah Jan's latest book, *The End of Democracy*, has just been released in Canada**

Vol: 13 Regd. No. LRL -50 No. 2

Weekly Nida-e-Khilafat Lahore

View Point

Abid Ullah Jan
(E-mail: abidjan@tanzeem.org)

Muslim Self-Rule is the Answer

Believing that the huge investment of human life and tax money worth trillions of dollars in the Muslim world would bring peace and prosperity to the West is no less than living in fool's paradise. The reason being that this investment is going into installing and sustaining puppet regimes for maintaining the status quo of the not too hidden forces behind the scene in the US.

In the absence of self-rule for Muslims, it is just a matter of time for the existing investment to backfire in the worst manner we can imagine. It is in the interest of the peace loving people in the West and the world at large to understand the real cause of denial of self-rule to Muslims in light of the philosophy of Islamic State. Many opinion makers, who promote a war within Islam, such as Thomas Friedman and Daniel Pipes, define Islamic State as a breeding ground for the terrorists, following a totalitarian ideology of defeating the West and destroying Israel.

The reality, however, is in total contrast to the description the Western public is fed with by the media on daily basis. Of course, there are some basic differences between the objectives of a state in the Western thought and Islam. Once the concept of the basics is clear, it is not difficult to do a proper risk assessment and understand requirements and outcomes of the two different governing mechanisms. The first important fact for the Westerners to understand from the history is that Muslim masses are not independent as yet of the colonial powers. They were freed from direct colonialism only to be indirectly ruled through puppets until this day.

The second factor is the concept of Islamic state, which has been purposely twisted and presented in a way to avoid the emergence of an Islamic State. The fear is that such form of governance mechanism will make remote control colonialism impossible on the one hand and become a challenge to the ever-growing tyrannical form of government, say in the US, on the other.

Non-Muslims need to understand that the objective of State in Islam is not to annihilate the non-Muslim world or march on country after country to impose Islamic way of life like the U.S is doing to the Muslims.

Muslims yearn for self-rule because Islam has its own value-system applicable to both the rulers and the ruled and the private and the public life. Therefore, Unitarianism is the fundamental principle that explains almost every aspect of doctrinal and practical Islam.

Human nature, though tends to cross moral limits. There is always a human tendency to bifurcate and restrain religion and pick that suits the whim and caprice and reject that restricts animal instincts.

The Western form of government is a product of an attitude of human mind, whereby people become oblivious to the spiritual dimension of existence and concentrate on the material world. On the contrary, the philosophy of life in Islam does not allow different pursuits to become autonomous, independent, and severed from the Divine end.

The battle cry for the Western position vis-à-vis state is "render unto Caesar that which is Caesar's and unto God that which is God's." Islam responds with the slogan: *Din wa Dawlah* (Islam is religion and State). Even if this formula is not found in the Qur'an in the exact words, the entire Qur'an revelation is integrative in that it sees Muslims as moral beings who should think and act in a theo-centric manner at all times, i.e., in their capacity as State citizens, too. Indeed, it is a much-researched question whether there exists at all a definitive Islamic theory of State. German orientalists such as Gustav von Grunebaum and Tilman Nagel tend to affirm. In fact, the Qur'an does not refer to a State in the contemporary sense at all. Rather it assumes a moral community, the Islamic Ummah, which guarantees the right physical and spiritual environment for the successful implementation of its principles and norms. The reason that the focus of the Qur'an is more on individual and family life — the basic units of a society — than governance mechanism is simply to hold human beings from ignoring the Divine purpose of their creation. Under the Western set up of governance, power becomes the end and people are dedicated to political power rather than using power in the service of their spiritual well-being as well.

Islam provides man with theoretical and practical guidance covering all aspects of life, of which the political aspect is but one. The world, in its view, is a place for the preparation of the soul for the hereafter and that this preparation fulfils the purpose of creation of man. One cannot therefore consider parts of worldly life as having no meaning with regards to that final purpose.

To rule is a sacred trust not a right in Islam. As such those who do not rule according to the principles of Islam are oppressors and transgressors. Such rulers are authoritarian and autocrat according to Islam despite all the badges of democracy and banners of human rights. The matter gets worse when people know that all the autocracy and violations of Islamic principles is to please those behind the scene for worldly gains.

The rules of Islam require the existence of an authority, a State, with the authority to organize the myriad of relationships that characterize the society and the resources for producing a favourable environment for the people to fulfil the overall objective of human creation.

Islam does not limit *Aqeedah* (belief) to a set of philosophical ideas, or a few rituals of utmost priority at the expense of the rest of the principles and values enunciated by the Qur'an and Sunnah. *Aqeedah* is, in fact, the basis, the engine that runs the Islamic State. Therefore, all injunctions of the Qur'an along with Sunnah need simultaneous implementation without any discrimination.

Al-Mawardi maintains that the establishment of Islamic State is a religious obligation, because its main object is the defence of the Faith and the preservation of order through the implementation of Revealed Law. He is of the view that a secular state is based on the principles derived through human reasoning, and therefore it promotes only the material advancement of its citizens.